

ساحلِ تمنا

اقرا مصغیر احمد

مدت کے بعد ہے وہ ستم گر ملا مجھے
جس کی مجھے تلاش تھی گوہر ملا مجھے
میں چاہتی تھی وہ فقط میرا ہو بمسفر
وہ میری کائنات سے بڑھ کر ملا مجھے

وہ آج آفس میں بے حد تھک گیا تھا سارا دن سر اٹھانے کی فرصت نہیں ملی تھی شائے سکر گردن گویا ہر جوڑا کڑ کر رہ گیا تھا۔ اس کی خواہش فوری ہاتھ لینے کی تھی۔ حسب عادت اس نے گھر میں داخل ہو کر میز پر کھانا رکھا اور بریف کیس اٹھائے میز پر رکھ دیے۔ بڑھ گیا اور جب وہ آخری میز پر قدم رکھنے ہی والا تھا کہ کوئی راہداری سے بھاگتا ہوا آیا تھا بل اس کے کہ وہ ایک طرف ہو کر بچاؤ کی صورت اختیار کرنا وہ کسی طوفان کی طرح اس سے ٹکرائی تھی۔ نتیجتاً وہ خود کو سنبھال پایا نہ اسے تمام سکا اور لڑھکتا چلا گیا تھا۔

اسی بل دن سواری جینیں ابھری تھیں جن میں سے ایک نیلی کی آواز اس کے لیے نئی نہ تھی البتہ دوسری آواز یا نکل نئی اجنبی تھی۔ ماحول میں جو خاموشی پھیلی ہوئی تھی اس خاموشی کو دھم دھم دھم دھم دھم کی تیز آوازیوں نے جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا۔

”الٹی خیر!“ عشرت بانو بچن سے خواہ باختر ہی کہتی ہوئی نکلی تھیں اور حسان اور قندیل کو لڑھکتے دیکھ کر ان کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا تھا۔ وہ گھبرا کر ان کی طرف بڑھی تھیں نیلی بھی گھبرائی بوکھلائی سی نیچے

اتر رہی تھی۔ حسان لڑھکتا ہوا نیچے فرش پر آگرا تھا اور اٹھنے بھی نہ پایا تھا کہ پہلے وزنی بریف کیس سر پر آگرا تھا پھر وہ مہکتا ہوا وجود جس کو ایک جھٹکے سے خود سے دور کر کے وہ کھڑا ہوا تھا اعصاب پہلے ہی تھکے ہوئے مستزاد اس آفت نے کئی درروں سے آشتا کر دیا تھا۔ ان تکالیف سے زیادہ لیانت اسے امی اور نیلی کے سامنے کرنے سے ہو رہی تھی۔ بارے خیالات کے وہ نگاہ نہ اٹھا پا رہا تھا۔

”اسٹوڈنٹ! کون ہو تم؟ وہ اس سے شدید غصے میں مخاطب ہوا۔
”بیٹا! چوٹ تو نہیں آئی؟ یہ قندیل ہے بھائی ریاض کی بیٹی تمہارے دفتر جانے کے بعد آئی ہے۔“
عشرت بانو جو بیٹے کی از حد سنجیدہ رکھ رکھاؤ والی عادت سے واقف تھیں سمجھ رہی تھیں کہ وہ اس وقت کس قدر شرمندگی محسوس کر رہا ہے سو جلدی سے انہوں نے بات سنبھالی تھی جو اب وہ خاموشی سے واپس چلا گیا تھا اور انہوں نے آگے بڑھ کر قندیل کو بیٹے سے لگایا تھا جو اس کے رویے پر ششدر تھی جس نے بری طرح سے اسے جھڑکا تھا۔

”برامت ماننا بی! احسان کی عادت مختلف ہے وہ دل کا برائیاں ہے۔“

”ایم سوری یہ سب میری وجہ سے ہوا۔ تمہیں چوٹیں بھی آئیں اور پہلی ہی ملاقات میں بھائی سے ڈانٹ بھی پڑ گئی۔۔۔۔۔ ریتی سوری۔“ نینی کا لہجہ ندامت سے بھگ رہا تھا۔ دراصل وہ دونوں ہی شرارتیں کرتی بیچے آ رہی تھیں۔ قندیل آگے ہونے کی وجہ سے پیر سلب ہونے کے باعث خود پر قابو نہ پاسکی۔ توازن بگڑنے پر وہ اوپر آتے حسان سے ٹکرانی وہ جوڑھیلے ڈھالے انداز میں اوپر چڑھ رہا تھا توازن بگڑنے کی صورت میں گرنا چلا گیا۔

”کوئی بات نہیں جو ہو گیا سو ہو گیا اب فکر کیا کرنی۔“

”آر پورائٹ پارٹر! کیا ہوا؟“ عمیر اسے خوشنا پھولوں کا ٹکے پکڑاتے ہوئے استفسار کرنے لگا۔

”اوہ! آتے ہی بھائی کو گرا دیا یعنی فکر ماری۔“

عشرت اس کی پشت پر دھب لگا کر بولیں۔

باتھ لے کر وہ لیٹ گیا تھا۔ نیندا نکھوں سے دور ہو چکی تھی دونوں ٹکے سر کے نیچے رکھے اور ٹکیوں کے گرد ہاتھ لپیٹے ہوئے وہ یک ٹک چھت کو گھور رہا تھا۔

اس اتحق لڑکی کی وجہ سے کتنی سکی ہوئی تھی۔ وہ بے حد وقار و تمکنت و بنجیدگی سے رہنے کا عادی تھا نہ بے وجہ بات کرتا تھا نہ سنتا تھا۔ اس کا رعب و دبدبہ عمیر جیسے نکھنڈرے و شغ مزاج بندے پر بھی چلتا تھا۔ نینی

اور عشرت بانو بھی اس کی موجودگی میں دبے پاؤں چلتی تھیں۔ کسی بزرگ ہستی کی طرح اس کا اس گھر میں احترام کیا جاتا خیال رکھا جاتا تھا جو اسے لگ رہا تھا آج نینی ہو گیا۔

پہلی ملاقات میں ہی اس لڑکی نے اس پر بہت برا تاثر چھوڑا تھا مارے اشتعال کے وہ چائے پر بھی نہیں

آیا کمرے میں ہی بی تھی۔

رات کھانے پر خوب اہتمام تھا فرائڈز راس چکن بروسٹ، چلے قے کے کباب، رئیس سلاؤ کو کی کارائینہ اور فروٹ پنڈنگ عمیر نینی کی نوک جھونک چل رہی تھی

عشرت اس سے گھر والوں کے متعلق بات کر رہی تھیں معذور سے بھاری قدموں کی آئیں ابھری تھیں چھٹر چھاڑ کر عمیر اس طرح مودب ہو کہ بیٹھ گیا گویا ہنسنا درکنار وہ مسکراتا بھی نہ جانتا ہو نینی نے

سرعت سے سر پر دوپٹہ اوڑھا تھا عشرت بانو نے سر پر اوڑھی چادر کو زبردست کیا۔ جس ماحول میں کچھ کل دیر شوخیاں رقص کر رہی تھیں وہاں آن واحد

میں خاموشیوں نے اداس ڈیرے ڈال دیئے تھے یہ سب اس ایک شخص کی آمد پر ہوا تھا جوانی میں سے ہی

تھا اسی گھر کا فرد تھا وہ سخت حیران ہوئی تھی۔

اس کا بی بلوشمار سوت میں خوشبو میں پھیلاتا ہوا وہ چیخ پر بیٹھ گیا تھا۔ کھانا اسی خاموشی میں کھایا گیا گویا

وہ انسان نہیں روبرو ہوں۔

وہ اس گھر میں کیا آئی خوشیوں، قہقہوں و گہما گہموں نے بہرے کر لیے تھے۔ وہ درود یوار جو

دہیز خاموشیوں و سنالوں کے عادی تھے اس تبدیلی سے وہ بھی گونجتے خوش و خرم دکھائی دیتے تھے عشرت

بھی ایک عرصہ بعد بچوں کے ساتھ ہنستی مسکراتی نظر آ رہی تھیں عمیر کی یونیورسٹی کی چھٹیاں تھیں وہ روز ہی

انہیں کہیں نہ کہیں تفریح کے لیے لے جاتا تھا۔

عشرت ان کے ساتھ بہت کم ہوتی تھیں۔ حسان نے بھی ان کے ساتھ شرکت نہ کی اسے یہاں آئے دو

بغٹے ہو چکے تھے اس دوران وہ پوری طرح اس کی روٹین لائف سمجھ چکی تھی وہ صبح آفس جاتا تو شام کو واپس ہوتی تھی۔ اس روٹین میں صبح جب آتا جب کسی برنس ڈیلیکشن سے میٹنگ ہوتی یا ڈنر۔۔۔۔۔ شام

کی چائے وہ لان میں پینے کا عادی تھا چہرے پہ گہری بنجیدگی اور لبوں پر جامد خاموشی۔ اگر نینی عمیر یا

عشرت کوئی بات کرتے تو جواب دیتا ورنہ لالعل سار بٹاتا تھا۔ اس کے خوف سے عمیر بھی گھر سے زیادہ

نام بگڑ نہیں رہتا تھا۔ کسی ضروری کام سے جاتا بھی تو جلد واپس آ جاتا تھا۔

”نینی! میرا دل چاہتا ہے۔۔۔۔۔“ وہ مسکراہٹ دبا کر بولی۔

”ہوں۔۔۔۔۔ کیا دل چاہتا ہے؟“ وہ بالوں میں برش کرتی ہوئی بولی۔

”تمہیں۔۔۔۔۔ نانی کہنے کو۔۔۔۔۔“

”وہاٹ امداق کر رہی ہو؟“

”نہیں! سچ کہہ رہی ہوں یہ تمہارے وائٹ بال تمہیں نینی نہیں نانی ظاہر کرتے ہیں۔ آج بال سفید ہوئے ہیں کل وائٹ ٹوٹیں گے اور یہاں کمر جھک جائے گی۔۔۔۔۔“ وہ اسے ستانے پر نائل تھی۔

”وائٹ؟ یہ بال میرے فلو سے وائٹ ہو گئے ہیں۔“ تیزی سے ہوتے سفید بالوں نے اسے پہلی ہی فکر مند کر رکھا تھا۔

”چلو کسی پارلر میں ڈائی کروالو۔“

”ہوں میں بھی کب سے یہی سوچ رہی ہوں لیکن پارلر کس کے ساتھ جائیں گے؟ عمیر گھر پر نہیں ہے۔“

”حسان بھائی تو ہیں ان کے ساتھ۔“

”نہیں بھئی! میں عمیر کا انتظار کر لوں گی کل چلیں گے۔“

”عمیر کی طرح وہ بھی تمہارے بھائی ہیں بلکہ بڑے بھائی ہیں ان کی ذمہ داری زیادہ ہے نہ کہ عمیر کی!“ وہ چڑ کر بولی۔

یہی تو ہمارا سہارا ہیں۔“ نینی کے انداز میں عقیدت بھری محبت تھی بھائی کے لیے لاؤنج میں بیٹھے ہوئے

حسان کی ساتتیس سب سن رہی تھیں۔ جہاں بہن کی محبت سے اس کے اندر طمانیت ابھری تھی وہیں اس

لڑکی کے باغیانہ درغلانے والے خیالات نے اسے اس کے خلاف مزید بدظن کر دیا تھا۔

”ہونہ! ایسے ہوتے ہیں ذمے دار اور سہارے بننے والے عمیر سے بھی دو بڑے بھائی ہیں ان کے گھر

میں آنے سے بہاریں آ جاتی ہیں“ نینی مذاق ہنگامے کیلک پارٹیز زندگی مجھو اٹھتی ہے۔ یہاں تمہارے

بھائی آتے ہیں تو لگتا ہے کہ فلوگ گیا گھر ویرانہ بن جاتا ہے خاموشی اداس ویران سب روبرو بن جاتے ہو جلتے پھرتے جیتے جاگتے ٹکڑ تو ت گویا ہی

سے محروم تم لوگوں نے خواہ مخواہ ان کو ہوانہ دیا ہے۔“

”پلیز قندیل! خاموش ہو جاؤ میں بھائی کے متعلق کچھ نہیں سن سکتی ہوں۔“

”تمہاری ایسی باتوں نے ہی انہیں تم لوگوں سے دور کر دیا ہے یہ زیادتی ہے ٹھہرو میں معلوم کر کے آتی ہوں۔“

اس کے منع کرنے کے باوجود وہ اسے ڈھونڈتی لاؤنج میں چلی آئی۔

”حسان بھائی! ہمیں شاپنگ سینٹر لے چلیں۔“

وہ خود اعتمادی سے اس سے مخاطب ہوئی تھی۔

”کیوں؟ کل تو عمیر کے ساتھ گئی تھیں۔ آج کیا کام آ گیا؟“ سانسے پھیلے اخبار سے نگاہیں اٹھائے بغیر عمیر لہجے میں گویا ہوا۔

”شاپنگ تو جتنی کی جائے کم ہے۔“ اس نے لاپرواہی سے کہا۔

ضرورت نہیں ہے کہیں جانے کی۔“ وہ لفظ لفظ جھاکہ گویا ہوا اور چلا گیا وہ ہکا بکا کھڑی رہ گئی۔

”پچھو جان! حسان بھائی اتنے سزاویل مزاج کیوں ہیں؟ بات کرتے ہیں تو یوں محسوس ہوتا ہے انگارے چبار ہے ہوں دیکھتے ہیں تو آگ کی پیش کا احساس ہوتا ہے وہ ایسے کیوں ہیں؟“ وہ تپ کر عشرت کے پاس لپکیں۔

”ارے کیا ہوا کچھ کہا ہے اس نے؟“ وہ چوٹی باندھتی ہوئی مسکرائیں۔

”شاپنگ کا کہا تھا جھٹ منع کر دیا اور ہاتیں علیحدہ سنا میں۔“

وہ دو بھائیوں کی اکھوتی بہن تھی۔ ممّا ڈیڑی کے لاڈ پیار کے علاوہ بھائیوں کی بے انتہا محبت نے اسے منہ پیٹت و پر اعتماد بنادیا تھا۔ وہ ان کی محبتوں کے بڑے ناجائز فائدے بھی اٹھاتی تھی۔ کراچی آنے کی ضد بھی ان میں سے ایک تھی۔ یہاں آ کر اسے محسوس ہوا نئی، عمیر اور پچھو جان کس قدر جس ذوہ زندگی جی رہے ہیں۔ حسان نے ذمے داریاں نبھانی تھیں تو احسانات کے بوجھ ان کے کاندھوں پر بھی ڈال دیئے تھے۔ جنھوں نے ان کے خوشگوار تعلقات و محبتوں کو کچل ڈالا تھا، پر تکلف احترام جس سے زندہ ہو رہا تھا۔ ”تم دل چھوٹا مت کرو عمیر آئے گا اس کے ساتھ چلی جانا وہ منع نہیں کرے گا۔“

”آپ نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا کہ وہ آپ لوگوں سے علیحدہ کیوں ہیں؟“

”نگھانگھا نیل پر کر کے گھر اس اس لیتی ہوئی وہ اس کے قریب بیٹھ گئیں۔

”حسان عمیر کی طرح ہی شوخ و شریر ہوا کرتا تھا تمہارے پچھو پچھا اس کی دلچسپ شہزادوں سے بہت مخلوط ہوا کرتے تھے۔ ان کے قریب بھی بہت تھا“

بچے اپنے باپ سے پیار کرتے ہیں اسے اپنے باپ سے عشق تھا رات کو انہیں دیکھتے ہوئے سوتا تھا۔ رات اٹھتے ہی انہیں دیکھتا تھا۔ ان کی اچانک حادثاتی موت نے اسے بالکل بدل دیا۔ ان دنوں یہ فرسٹ ایئر میں تھا بہت کم عمر تھا۔ اسی کم عمر میں اس نے پڑھائی بھی مکمل کی اور بزنس بھی سنبھالا۔ آج ہم عزت و وقار کے ساتھ خوشحال زندگی گزار رہے ہیں اس کی محنت ہی ہے یہ سب اگر وہ اس طرح خود کو نشین نہ بنالیتا تو کون سہارا دیتا ہمیں؟ رشتے داریاں دوستیاں اچھے وقت کے لیے ہوتی ہیں برے وقت میں تو اپنا سایہ بھی ساتھ چھوڑ دیتا ہے کوئی نہیں پوچھتا خراب حالات میں میرے بچے نے ہماری خاطر دنیا کی رنگینوں سے منہ موڑ لیا۔ اس کی عمر ہی کیا ہے عمیر سے دو سال ہی تو بڑا ہے میرا احساس وہ نہ ہوا۔

گزارے دنوں کی یادوں نے ان کی آنکھیں غم کر دی تھیں۔

”ایم سوری پچھو آپ کو میری باتوں نے رنجیدہ کر دیا۔“

”نہیں بیٹی!“ وہ مسکرا کر گویا ہوئی تھیں۔

گھر سے بار بار کا لڑا رہی تھیں وہ سب ہی اسے بے حد مس کر رہے تھے وہ بھی انہیں مس کرنے لگی تھی۔ پہلی بار وہ ان سب سے اتحاد اور ہوتی تھی۔ ایک ماہ ہونے والا تھا۔ اب اس کی طبیعت بھی یہاں سے اچاٹ ہونے لگی تھی۔ وجہ حسان کی ذات تھی جو منہ سے تو کچھ نہیں کہتا تھا مگر اس کی وجہ چہرے پر پچھلی بیزاری دنگاہوں سے چھانکتی ہوئی تاگواری اس کی حساس و کویل طبیعت سے پیچھی نہ رہتی تھی۔

”معلوم کیوں وہ اسے پسند کرتا تھا؟ پھولوں کے ڈھیر میں کانٹوں کی چھین پھولوں کی تازگی و شگفتگی پر حاوی ہو جاتی ہے اسی طرح ان تینوں

کی بے حد محبت کے باوجود اس ایک شخص کی بیزاری و بے اعتنائی اس کی عزت نفس کو مجروح کر رہی تھی وہ جانا جاہ رسی بھی اسی دوران نئی کانپریوزل آ گیا۔ لوگ اچھی چمکی کے تھے وہ لڑکا حسان کے دوست کا بھائی تھا۔ ایئر فورس میں اعلیٰ عہدے پر فائز تھا۔ حسان کی خواہش تھی نینی کی شادی حبیب رضا سے ہی ہو ان لوگوں نے نینی کو کسی تقریب میں دیکھا تھا اور سوجان سے فدا ہو گئے تھے معاملہ دونوں جانب ہی مضبوط تھا صرف قازمیلیمیر پوری کرتی تھیں۔ عشرت خاتون نے اپنی اکھوتی نند کو بلوالیا تھا۔ ڈنر پر حبیب کی ٹیبلٹی الوائے تھی۔

کھڑے نقوش و صاف و شفاف رنگت اور بارعب شخصیت والی آمنہ بیگم کو دیکھ کر محسوس ہوتا تھا کہ حسان کی سرخ و سفید رنگت و نقوش ان سے ملتے ہیں اور اس بات کا بھی اسے حلد احساس ہو گیا کہ صرف شخصیت ہی نہیں مزاج و دولت میں بھی وہ یکساں ہیں پچھو نے اس کا تعارف کر دیا تھا اس کے سلام کا جواب دیتے ہوئے انہوں نے بڑی کڑی تنقیدی نگاہوں سے اس کا جائزہ لیتے ہوئے طنزیہ لہجے میں کہا۔

”تمہارے بھائی کو تمہاری یاد آگئی؟ ہاں بھئی! ظاہری بات ہے اب ماشاء اللہ حسان نے خوب ترقی کر لی ہے خیر خوشحالی تو میرے بھائی کی دور زندگی میں بھی تھی اب میرے بھتیجے کی بے مثل محنت و ریاضت سے دینی ہوئی ہے۔ ایسے لائق و قابل و دولت مند لڑکوں کی سب ہی قدر کرتے ہیں پھر بیٹیاں جوان ہو جائیں تو رشتے داروں کی سوتلی ہوئی محبت جاگ ہی اٹھتی ہے یہ کوئی اجنبی کی بات نہیں۔“ وہ محسوس بھرا انداز خود مری و مغروریت سے چور لہجہ اپنی اہمیت اپنی ذات کو مد نظر رکھنے والے دوسروں

کے احساسات و جذبات کی قطعی پروا نہ کرنے والے وہ پچھو پچھو بھتیجے یکساں ذہنیت کے عکاس تھے۔ اپنے لالہابی بن و عدم دلچسپی کے باعث وہ ان کی باتوں کا مفہوم نہ سمجھ سکتی تھی مگر اس کی حساس طبیعت پر ان کا لہجہ مارا انداز بہت گراں گزرتا تھا حسان عمیر ننی سب کی موجودگی میں اپنے پایا کے لیے غلط سننا اسے کوفت میں مبتلا کر گیا تھا۔ وہ ٹیلری میں آگئی تھی۔ اس نے یہ سننا بھی گوارا نہ کیا کہ پچھو اپنے بھائی یعنی اس کے پایا کے دفاع میں کیا کہہ رہی ہیں حسان نے اسے چاتے ہوئے دیکھا تھا پھر ان کی جانب متوجہ ہو گیا تھا۔

وہ کلیوں کی مانند نرم و نازک احساسات رکھنے والی کوئل سی لڑکی جس کو گھر سے ملنے والے بے تحاشا پیار و محبت نے دنیاوی کمزور فربہ حسد و بغض سے دور رکھا تھا اس کی نظر میں دنیا ایک خوش رنگ گلستان تھی جہاں پیار و محبت کے پھول خلتے تھے جس سے اٹھنے والی غلوں و یگانگت کی خوشبو میں حیات کی روح تھیں وہ ان ہی محبت و پیار کا امرت پتی جوان ہوئی تھی۔ یہی وجہ تھی حسان کے گھر والوں کے ساتھ سیٹ رویے نے اسے متحر کیا تھا اور آج آمنہ پچھو کی بدگمانیوں بھرے سخت رویے نے اسے انھن میں مبتلا کر دیا تھا اور یہ پڑمروگی اس پر طاری رہی تھی۔ نینی کے سسرال والے آگئے تھے وہ شگون کے طور پر اس کے ہاتھ میں بڑی رقم رکھ گئے تھے۔ اس کی حساس و سسرال اور دونوں کنواری نندیں اسی غنچے مٹکی کرتا جاہ رہی تھیں اور شادی وہ ماہ بعد مگر یہاں بھی آمنہ پچھو کی بد مزاجی و سخت کلامی نے انہیں یہ کہہ کر خاموش کر دیا تھا کہ ان کے خاندان میں اس طرح ہتھیلی پر سرسوں نہیں بھائی جانی۔ صبر کریں وہ لوگ اچھے تھے جوان کی بات کا احترام کیا تھا برائے بغیر۔

”ہائے پائین! اتنی اداس اداس کیوں ہو۔ چھو جان سے ملنے کے بعد بالکل چپ ہو گئی ہوان کی بات بری لگ گئی ہے؟“ مہمانوں کے جانے کے بعد عمیر اس کے پاس آ کر استفسار کرنے لگا۔

”یاں! ان کو پاپا کے متعلق ایسی بات نہیں کہنا چاہئے تھی یا پاپا چھو سے بہت محبت کرتے ہیں بلکہ ماما بھائی سب ہی ان سے محبت کرتے ہیں۔“ وہ صاف گوئی سے اعتراف کر بیٹھی تھی۔

”اوہ۔ ڈونٹ مائنڈ ڈیز! چھو جان زبان کی خراب ہیں مگر دل کی بہت اچھی ہیں جتنا غصہ کرنی ہیں اتنا پیار بھی ہم سب سے پیار کرتی ہیں مگر حسان بھائی میں ان کی جان ہے۔“

”میں نہیں مانتی کہ دل کا اچھا ہونا کسے کہتے ہیں؟ ہمارا تعلق زبان سے ہوتا ہے ہمیں وہی اچھا لگے گا جس کی زبان اچھی ہوگی اخلاق بہتر ہوگا دل کی جانچ پر تال اللہ کا کام ہے بندوں کا نہیں۔“

”اوہ! آپ تو بری طرح سے ہرٹ ہوئی ہیں سوئیٹ گرل! چلو کہیں باہر چلتے ہیں تاکہ آپ کا موڈ اچھا ہو سکے۔“ عمیر نے پچھو کے ترش رویے کے ازالے کی خاطر اسے سی دیو لے جانے کی آفر کی مگر اس نے انکار کر دیا۔

عشرت خاتون کا تعلق ہائی سوسائٹی کے ایک عزت دار گھرانے سے تھا اس دور میں جہاں لوگ ذات پات قوم و برادری کے ذمے سے نکل کر آپس میں رشتے دار یا م مربوط کرنے لگے تھے ایسے میں ابھی بھی ان کے خاندان میں لڑکے لڑکیاں خصوصاً لڑکیوں کی شادیاں غیر خاندان یا غیر برادری میں کرنے کو برا سمجھا جاتا تھا۔ خواہ لڑکیاں گھر بیٹھی رشتوں کے انتظار میں بوڑھی ہو جائیں یا بے جوڑ شریک حیات کے ساتھ زندگی کو سزا کی مانند

گزاریں۔ اس سے کسی کو کوئی سروکار نہ تھا اگر فکر تھی صرف خاندانی نام نہاد ”ناک“ کی اور ایسے میں ان کی اپنے کلاس فیلو عارف سے کورٹ میرج اس خاندانی ناک کو کاٹنے کے مترادف تھی جس کی پاداش میں انہیں خاندان سے بے دخلی و لاتعلقی کا پروانہ ملا تھا۔ ماں باپ بھائی نے ان سے ہمیشہ کے لئے تعلق قطع کر لیا تھا جس کا ملال انہیں شادی کے کچھ عرصے تک بالکل نہیں ہوا مگر جب زندگی کی حقیقی صورت محبت نقاب الٹ کر ان کے سامنے آئی تو معلوم ہوا محبت محض چار دن کی چاندنی کے سوا کچھ نہیں قبر کے بارے میں کہا جاتا ہے وہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے یا دوزخ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھ۔ پہلی مثال سسرال کے بارے میں بھی ان کو رائے تھی کیونکہ ایک گڑھا جیتے جی ان کے نصیب میں آ گیا تھا جہاں رات دن ان پر زبان کے جابک برسائے جاتے تھے اپنی پسند سے شادی کرنے پر ان کو ایسے ایسے شرمناک تقابلیات سے نوازا جاتا کہ شرم سے خود ہی نگاہ نہ ملا پاتی تھیں۔ عارف جنہور نے ان کے بازو نہ نہ رہنے کی قسمیں کھائی تھیں جن کے وعدے میں پورے اترے تھے مگر نرم مزاجی اور کچھ بزدل فطرت ہونے کے باعث وہ اپنے گھر والوں سے اسے وہ حقوق نہ دوا سکے جو بڑے بھوپونے کے باطن اس کے بنتے تھے کیونکہ وہ خود آئی تھی لاڈی نہ تھی سو کسی سے بھی وہ عزت و احترام رعب نہ پاسکی تھی جو اس کا حق تھا۔ ان کے دل جیتنے کے لیے اس نے اپنی انا خود داری کو مار ڈالا تھا دن رات نوکروں کی موجودگی میں ان کی خدمت کے لیے مشین بن گئی تھیں مگر پھر بھی خود پر چسپاں ”بھگورڈ بہو“ کا ٹیٹل نہ بنا سکی تھیں۔ عارف زیادتی سے باخبر تھے لیکن وہ اس کی حمایت میں لب دا کرنے سے

قاصر تھے۔ ان کے خیال میں جذبات میں آ کر انہوں نے اپنے ماں باپ بہن بھائی کے ان ارمانوں کا خون کیا ہے جو ان کے حوالے سے ان کے دل میں موجزن تھے۔ اس وقت انہیں اپنی غلطی کا شدت سے احساس ہوا۔ ایک مرد کی خاطر عورت برسوں کے رشتے و بھروسے توڑ کر اس کے ساتھ چل پڑی ہے منزل کی تلاش میں اور وہ مرد منزل پر پہنچ کر اپنا دامن چھٹ لیتا ہے اور انرازم لگاتا ہے عورت کے بہکانے کا اسے جنت سے نکلوانے کا اسے تو پھر جنت مل جاتی ہے در بدر وہ گھر تو عورت ہوتی ہے جو مرتے دم تک کسی گھر کو اپنا گھر نہیں کہہ سکتی عارف کی غلطی اس کے گھر والوں نے معاف کر دی تھی وہ ان کا وہی چیتا تھا اور لاڈلا بھائی تھا۔

خسارے سارے اس کے نصیب میں آئے تھے اسے ان لڑکیوں پر رشک آنے لگا تھا جو باپ کی دعاؤں کے رخصت ہوتی ہیں ان کے پاس اختیار ہوتا ہے سسرال کے ظلم و ستم میکے میں بتانے کا اپنی حیثیت منوانے کا اور شاید ایسی لڑکیوں کی زندگی اس طرح اجیران بھی نہیں کی جاتی جس طرح ہم جیسی ناعاقبت اندیش لڑکیوں سے نفرت و حقارت آمیز سلوک کیا جاتا ہے جو جذباتی خواہشات کی تابع ہو کر ماں باپ کی محبت و اعتماد کو قدموں میں روند دیتی ہیں۔ بھائیوں کے غر و مان کو چکنا چور کر کے بہنوں کے مستقبل کے واؤ پر لگا کر خوشیوں کی بج پر راج کرنا چاہتی ہیں جو سب لا حاصل رہتا ہے عزت و محبت سے محروم رہتا ہے نہ وہ بھی اپنے ذات کے انفرادیت کی معتری کے لیے ترس گئی تھیں۔ دو سال ان بے حس و سنگدل لوگوں کے درمیان رہنا انہیں صدیوں کے برابر لگا تھا حسان کی پیدائش پر عارف کی سوئی ہوئی محبت جاگ اٹھی تھی وہ خاموشی سے بیوی اور بچے

کے ہمراہ علیحدہ فلیٹ لے کر رہنے لگے تھے اس اقدام پر ان کے گھر والے ان سے رشتہ توڑ بیٹھے تھے انہوں نے پروا نہ کی تھی حسان کی پیدائش نے جو احساس دلایا تھا۔ متا اور ممتا کی شدت کا وہ اپنے گناہ پر نادم تو بہت پہلے ہوئے تھے مگر عمیر کی جن کی رسوائی کا سبب ان کی کورٹ میرج بنی تھی عمیر کی آمد نے انہیں بے قرار کر دیا تھا احساس دلایا تھا کہ ماں باپ کتنی اصول نعت ہیں انہوں نے انہیں دیکھی کر کے ناراض کر کے اپنے اللہ کو ناراض کر ڈالا ہے جب تک والدین معاف نہیں کریں گے ان کا رب بھی معافی نہیں دے گا۔

عارف نے بھی اس کے ساتھ مل کر ان لوگوں سے ملنے اور معافی مانگنے کی بہت کوشش کی مگر اس گھر کے دروازے اس پر بند ہی رہے تھے۔ پھر جب اماں بستر مرگ پر پڑیں تو کئی سال بعد اس نے چوروں کی طرح اس گھر میں قدم رکھا جہاں وہ بھی بے فکر سے کد کڑے لگاتا پھرتا تھا اب اس جگہ پر قدم شرم و پشیمانی کے بوجھ سے لرز رہے تھے۔

اماں کے بعد ابانے بھی میر نے سے قبل فراخ دلی سے اس کی خطا معاف کر دی تھی۔ بھائی نے بھی دل کے دروازے کھولے تھے یا نہیں؟ مگر گھر کے دروازے اس کے لیے کھول دیئے تھے ماں باپ کے مختصر ملن اور ابھری جدائی کے غم نے اس کے اندر کچھ توں و بھرمیوں کے دبیز سناٹے اس کی روح تک اتار دیئے تھے۔ عمیر کی پیدائش کے بعد نورالعین کی آمد نے ان کی زندگی مکمل کر دی تھی عارف بیٹی کو باکر بہت خوش تھے لیکن وہ مسکرا بھی نہ سکی تھیں۔ بیٹی کی خوشی عارف نے بہت دھوم دھام سے منائی تھی وہ اپنے گھر والوں کو منا کر لے آئے تھے لیکن اس بار وہ اس کی ڈھال تھے سو کسی کو بھی اس سے بدتمیزی کرنے

کی حرات نہ ہوئی تھی وہ منہ پھلائے تقریب میں پھرتی رہی تھیں۔

بھائی جان اور بھابھی نے اس تقریب میں شرکت نہیں کی تھی نہ معلوم وہ اسے دل سے معاف نہ کر سکے تھے یا سچ جج بے حد مصروف تھے ان کے درمیان حائل ہونے والے فاصلے عارف کی اجانک ہونے والی ڈیوٹی بھی ختم نہ کر سکی تھی۔ شروع شروع میں بھائی جان نے مالی امداد کرنے کی پیشکش کی تھی مگر عارف اپنے پیچھے مضبوط بینک بیلنس چھوڑ گئے تھے جس نے انہیں کسی سے بھی مالی مدد لینے سے محفوظ رکھا تھا وقت نے سب کو ہی اپنے چکر میں ایسا الجھایا تھا کہ کسی کو فارغ نہ چھوڑا تھا قانون یا موبائل پر بھی کبھی بات ہو جاتی تھی بھائی و بھابھی کو آئے مدت ہو چکی تھی وہ بھی تین سال قبل ایک ہفتے کے لیے بڑے بھتیجے عامر کی شادی پر گئی تھیں نینی اور عمیر کے ہمراہ حسان ان دنوں ملک سے باہر تھا ویسے بھی اس کا جھکاؤ انھیال سے زیادہ درحیال کی طرف تھا تین سال بعد قندیل کی آمد انہیں خزاں میں مہار کی مانند لگی تھی۔

❖❖❖❖❖

”ہیلو ننی! حسان گھر پر ہے؟“
سیاہ ٹراؤڈ اور رخ شرٹ میں وہ ہنسی مسکراتی شوخ لب اسٹک جس کے حسین چہرے پر نمایاں تھی وہ لڑکی عشرت سے مخاطب ہوئی تھی۔

”ہاں بیٹھو بیٹی! وہ اوپر ہے بلاتی ہوں۔“
”آئی! پلیز جلدی ویر ہو رہی ہے۔“ وہ بیٹھے ہوئے بولی۔ عمیر نے اندر آتے ہوئے اسے دیکھ لیا تھا وہیں آ گیا۔
”ہائے!“ اس نے شانے پر بڑے بالوں کو جھٹکتے ہوئے ادا سے کہا۔

”ہائے! ہائے! آپ پر مرجانے کو دل چاہتا ہے۔“ دل پر ہاتھ رکھ کر گویا ہوا۔

”مر جاؤ.....“ وہ شوخی سے بولی۔
”آپ بھی ساتھ دیں تمہارے میں کیا مڑائے گا۔“

”اچھا.....! ابھی حسان کو بتاتی ہوں۔“
”شہور..... شہور پلیز! جب تک بھائی کو نہ بتا کریں گی ہمارا رشتہ ہو بھی نہیں سکتا۔“ وہ شانے اچکا کر بھولے پن سے بولا۔

”حسان کے سامنے بالکل معصوم بن جاتے ہو۔“ اس نے بے ساختہ ہنسنے ہوئے کہا تھا اسی دم گھبرا کر اسما بینٹ کوٹ میں ملبوس حسان وہاں آ گیا تھا۔
عمیر یکدم شریف بن گیا۔

”تمہیں معلوم ہے حسان! یہ ابھی کیا کہہ رہا تھا؟“ اس نے شرارت سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ عمیر کی جانب حسان کی پشت تھی عمیر نے فوراً ہی ہاتھ جوڑ دیئے تھے۔

”ہوں..... کیا؟“ حسان نے چونک کر پوچھا تھا۔

”بہت تعریف کر رہا تھا تمہاری۔ بہت محبت کرتا ہے۔“

”ارے بیٹو میں کافی کا کہہ کر آتی ہوں۔“
عشرت وہاں چلی آئی تھی عمیر وہاں سے کھٹک لیا تھا حسان سمجھ گیا تھا عمیر نے کوئی شرارت کی ہوگی جو مومی بات بدل گئی ہے وہ چپ رہا تھا۔

”سوری ماما! ہمیں ایک پارٹی ائینڈ کرنی ہے پہلے میٹنگ ہے وہاں جانا ہے کافی فیکسٹ ٹائم چلے گی۔“ وہ غلت بھرے انداز میں کہہ کر وہاں سے مومی کے ساتھ چلا گیا تھا گیلری میں کچھ مزی قندیل نے بڑی حیرت سے وہ منظر دیکھا تھا وہ شخص جس کے چہرے

پر اس نے بھولے سے بھی مسکراہٹ نہ دیکھی تھی اس لڑکی کے ساتھ مسکرا مسکرا کر باتیں کر رہا تھا۔ وہ مسکراہٹ جو ہر اشتعال و حقیر سے پاک تھی اس کے چہرے کے روشن کر دیا تھا وہ بد مزاج و دسمل شخص کیا کسی لڑکی کے ساتھ اتنا اچھا بڑاؤ کر سکتا ہے۔
”وہ لڑکی کون تھی؟“

اس سے اس کا کیا رشتہ تھا؟
مارے بچس کے وہ رینگنے سے آدھی لنگ گئی تھی مسکراتے باتیں کرتے وہ کار کے پاس پہنچے تھے حسان نے فرنٹ ڈور کھولا۔ وہ خوبصورت چہرے والی لڑکی ایک ادائے دلہریائی سے سیٹ پر بیٹھ گئی تھی اس نے آہستگی سے ڈور بند کیا تھا اور گھوم کر ڈرائیونگ ڈور کھولتے ہوئے اس کی نگاہ گیلری پر پڑی تھی قندیل سرعت سے پیچھے ہٹی تھی مگر اس کا دھانی دوپٹہ وہیں ہر اڑتا تھا۔
”کون تھی وہ لڑکی؟“ اندر آتی نینی سے سوال کیا تھا۔

”مومی تھی۔ امیر کی اے کر رہی ہے ایکسپریس کے لیے بھائی کے کس آتی ہے یہ اس کا کلاسٹ ایئر ہے۔“ نینی نے اطلاع دی تھی۔

”مومی..... گڈ! کیا نام ہے تمہارے بھائی جیسے چتر کو اس نے موم بنادیا ہے جو شخص گھر والوں سے سیدھے منہ بات نہ کرے اس مومی کے آگے موم بنادیا ہے حیرت ہے۔“ نہ چاہنے کے باوجود اس کا لہجہ بڑھ گیا تھا۔

”ایسی بات نہیں ہے بھائی! ہم سے بہت محبت کرتے ہیں۔“

”جب ہی میں نے ان کو تم میں سے کسی کے ساتھ مسکرا کر بات کرتے نہ دیکھا۔ تم اور عمیر تو ان سے چھوٹے ہو مگر پچھو کے ساتھ بھی ان کا انداز روڈ

ہوتا ہے یہ کیسی محبت ہے دوسروں کے لیے سب کچھ اپنوں کے لیے کچھ نہیں۔“

نینی کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔
اس دن وہ نینی کی سگنی کی تیار یوں میں لگی تھیں۔ قندیل نے میوزک آن کر کے لڈی کا پروگرام بنایا تھا۔ ساتھ اس نے زبردستی نینی اور عشرت کو بھی گھسیٹ لیا تھا۔ عمیر تو پہلے سے ہی ایسے کامیوں میں آگے آگے رہتا تھا قندیل اس کی ہم مزاج تھی اس کے آنے سے وہ کچھ زیادہ سرور تھا کہ دونوں مل کر نت نئی شرارتیں کرتے تھے اور خوب انجوائے کرتے تھے۔

اس کی کار نہ معلوم کب آئی تھی فاسٹ میوزک کی آوازوں میں پتہ ہی نہ چلا کہ وہ کب دندناتا ہوا ادھر آیا تھا ہوش تب آیا جب اس نے کھڑے کھڑے ہی پلگ وائر پھیکا تھا۔

”کیا ہو رہا ہے یہ؟“ وہ دھاڑا تھا۔

ان کے ہاتھ اچھے کے اٹھے ہی رہ گئے تھے عشرت خاتون نے نکل زندہ انداز میں ہاتھ نیچے کیے تھے نینی اور عمیر کی سخت سہرا سگنی کی حالت تھی۔

”مئی! آپ بھی منع کرنے کے بجائے اس فضولیات میں شریک ہیں؟“ ان سے مخاطب ہوتے ہوئے اس کے لہجے میں نرمی در آئی تھی عشرت خاتون اپنی بے ساختہ بچکانہ حرکت پر خود بیٹے کے سامنے شر مسما تھی قندیل زبردستی ہاتھ پکڑ کر لے آئی تھی۔ اس کی خوشی کی خاطر وہ کھڑی ہی ہوئی تھیں جو وہ طوفان بلا خیر بن کر چلا آیا تھا۔

”اور تم اپنی اپنی حد سے باہر نکلنے کی کوشش مت کرو۔“ اب وہ حسیکیں لگا دیں نینی و عمیر کے جھکے ہوئے چہروں پر ڈال کر درشت لہجے میں گویا ہوا تھا۔ وہ خاموشی سے مجرموں کی طرح گردن جھکا کر وہاں

سے چلے گئے تھے اس نے قندیل کو اس طرح نظر انداز کیا تھا گویا وہ وہاں موجود ہی نہ ہو۔

”ایک منٹ حسان بھائی!“ اسے جاتے دیکھ کر وہ گویا ہوئی۔

وہ رک گیا مگر پلانا نہیں اس کی جانب پشت کیے کھڑا رہا تھا یہ انداز واضح تھا اس سے بے وقوفی و ناپسندیدگی ظاہر کرنے کا۔

”آپ کس بات پر اتنا خفا ہو رہے ہیں؟ غیبی کی انجمن کی تیاری کر رہے تھے ہم لوگ، کوئی فضول بات نہیں ہے خوشیاں منانے کا اختیار سب کو حاصل ہے سب کا حق ہے۔“

وہ ایسی ہی تھی دوسروں کی خوشیوں کی خاطر ان کے حق کے لیے ڈٹ جانے والی خوشیوں و مسرتوں کو بانٹنے والی۔

”میں ایسی کسی خوشی و حق کا قائل نہیں ہوں جو دوسروں کو دکھ و پریشانی میں مبتلا کر دے۔“ اس کا لہجہ دو سہاٹ تھا۔

”حسان بھائی!“ وہ خود اس کے سامنے آ گئی تھی۔

”آپ کو دوسروں کی بڑی فکر رہتی ہے! کبھی اپنی ماں اور بہن بھائی کی خوشیوں کا خیال نہیں آیا آپ کو؟ کیا ہنسنے مسکرانے لائف انجوائے کرنے کا حق نہیں ہے ان کو؟ لوگ جانوروں پرندوں کو پنجرے میں قید کر کے ان کی آزادی سلب کر لیتے ہیں آپ نے ان لوگوں کو گھر میں قید کر کے زندگی کی مسرتوں سے دور کر دیا ہے۔“

”مثلاً آپ۔“ اس نے اس کی جانب دیکھتے ہوئے تحقیق آمیز لہجے میں کہا۔ عشرت بات بڑھنے کے خوف سے قندیل کے بازو پکڑ کر وہاں سے لے جانا چاہتی تھی مگر وہ نہیں گئی حسان کو آمینہ دکھانے کا فیصلہ کر چکی تھی۔

”پچھو! یہ سب آپ کی خاموشی کی وجہ سے ہے جو ان کی ڈکٹیٹر شپ اس گھر میں چل رہی ہے ورنہ۔۔۔“

”جہمیں جب یہاں دیکھا تھا اسی وقت میری چھٹی حس بیدار ہوئی تھی اور میں سمجھ گیا تھا تم کوئی پاننگ کر کے یہاں آئی ہو اور بہت جلد تمہارا پلان ظاہر ہونے لگا۔“ اس کے لفظ لفظ میں بھرپور بیگانگی و سرورہری پنہاں تھی۔ وہ تو وہ عشرت خاتون تھی اس کی بدگمانی پر ششدر وہ گئی تھیں۔

”تم نے آتے کے ساتھ ہی گھر کے برسکون ماحول میں بے اطمینانی کے پتھر پھینکنے شروع کئے عمیر اور غیبی کی برین واشنگ کے ساتھ ہی ان کو درغلانے و ہرکانے کی کوششیں شروع کر دیں تاکہ ہمارے درمیان فاصلے آجائیں۔ ہم لوگ ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں اور ہمارے ہر کسی پر نہاتے کے گھولنے کی طرح ٹکا ٹکا ہو کر بکھر جائے گا۔ یاد رکھو! تمہارا پلان کبھی کامیاب نہیں ہوگا خواہ تم جاسوسی کرؤ بدظن کرؤ کوئی فرق نہیں پڑے گا کیونکہ میری بصارت سماعت ہمہ وقت کھلی رہتی ہیں سب پر میری گرفت قائم ہے۔“ وہ کسی آتش فشاں کی طرح بلا سمٹ ہوا تھا لاوے کی طرح دھکتی ہوئی اس کی بدگمانیاں و ذہنی پر انگدگی اسے جھلسا گئی تھی۔

”قندیل بیٹا! مانتہ مت کرنا۔“

ہنک و توہین کے احساس سے اس کے سرخ پڑتے چہرے و دھواں دھواں ہوتی آنکھوں پر ان کی نظریں گئی بیٹے کی بدمزاجی و خود مریطیت انہیں پہلی بار بہت بری محسوس ہوئی کس سنگدلی سے وہ اس پر الزامات لگا گیا تھا جو شخص اس کی ذہنی اختراع تھی۔

”پچھو جان! یہ سب آپ کی صبر و استقامت کی وجہ سے ہے ورنہ ان کی جرات نہیں سکتی تھی آپ کے

سامنے زبان کھولنے کی۔ آپ نے یہ سوچ کر کہ وہ آپ کو معاشی سہارا دے رہے ہیں بڑس کر رہے ہیں ان سے باز پرس کرنا چھوڑ دی اور ان کے اندر حاکمیت بھردی جس سے وہ خود کو اس گھر کے بیٹے کے بجائے حاکم سمجھنے لگے ہیں۔“

بات اس نے شدید غصے میں کہی تھی مگر حاکم کہنے پر باہر کھڑا عمیر اور غیبی ہنسی ہوئی اندر آئے تھے۔

”بائی گا! بالکل درست کیا ہے تم نے وہ بھائی پلس حاکم ہیں۔“

عمیر نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا وہ بھی غصے کے باوجود مسکرا دی تھی۔

”چلو جلدی سے تیار ہو جاؤ عمیر ڈنر کروانے لے کر جا رہا ہے اور دیکھنا آج اس کو فقیر بنا کر نہ چھوڑا تو میرا نام بدل دیتا۔“

”بائی برنگدی چیپل! یہی نام رکھوں گا تمہارا۔“

عمیر نے اس کی لونی ٹھٹھٹے ہوئے کہا۔

پہلی بار ان کی کزن آئی تھی ان کے نکھال سے جڑا ایک رشتہ قریب ہوا تھا اس حلق سے وہ لوگ خوش تھے بھائی کا رویہ ازل دن سے قندیل کے ساتھ وہ سخت دیکھ رہے تھے اور اس کے ازالے کے لیے وہ اسے خوش رکھنے کی ہر ممکن کوشش کرتے تھے تاکہ وہ محسوس نہ کرے مگر آج جس طرح سے بھائی نے اس پر الزامات کی بوچھاڑ کی تھی وہ بھی بے معنی و غلط انہیں محسوس ہوا تھا ماں کے حوالے سے جزایہ انکوتا رشتہ بہت جلد ہی ٹوٹ جائے گا چونکہ انہیں گوارا تھا ان کی ماں کو ہوگا۔ اسی لیے انہوں نے ممنوں میں باہر جانے کا پروگرام ترتیب دیا تھا تاکہ وہ باہر کی تازہ فضاؤں میں سب بھول کر معاف کر سکے۔

”مئی اکل حبیب کے ہاں چلنا ہے پارٹی ہے۔“

وہ کپڑے چن کر کے آیا تو عشرت خاتون سے

مخاطب ہوا تھا۔

”یہاں بھی کال کی تھی مصروفیت کے باعث نہ آنے پر معذرت کر رہی تھیں۔“ ان کی بھاری آواز پر اس نے ان کی جانب چونک کر دیکھا تھا ان کی متورم آنکھیں ابھی بھی جھکی ہوئی تھیں۔ وہ شاید خاصی دیر سے روٹی رہی تھیں۔

”انکل! آنٹی کا اصرار ہے نیٹی پارٹی میں ضرور شریک ہو۔“

”مجھ سے بھی کہا تھا مگر میں نے منع کر دیا معذرت کر لی تھی۔“ ان کو اپنے بھگے لہجے پر قابو پانے میں مشکل ہو رہی تھی۔

”کیوں؟ اس میں کیا حرج ہے مئی! اسے وہیں جانا ہے تو اس فیملی کی ہونے والی اکلوتی بہو ہے۔“

”اپنی پچھوؤں و چچیوں کو دیکھا ہے وہ یہ سن کر طوفان کھڑا کر دیں گی ابھی منگنی بھی نہیں ہوئی اور لڑکی سسرال چلی گئی میں تو ویسے بھی رسوا ہوں لیکن اپنے بچوں کی جانب میں کوئی اتھکی اٹھتی ہوئی برداشت نہیں کروں گی۔“ ان کا انداز دو ٹوک تھا۔

”ٹھیک ہے جو آپ مناسب محسوس کریں وہ کریں کل پھر تیار رہیے گا۔“

”اگر تم اجازت دو تو میں ساتھ قندیل کو لے لوں؟“

وہ حمیب سے ملنا چاہتی ہے غیبی کی کزن اور دوست ہونے کے ناطے اس کی یہ خواہش ناجائز تو نہیں ہے شاید۔۔۔۔۔ ان کا انداز بھرپور سوز تھا حسان مزید برداشت نہ کر سکا اور قریب آ کر ان کے شانہ پر بازو رکھ کر بولا۔

”کیا ہوا ہے مئی! آپ ناراض ہیں؟ ابھی آپ نے کیا کہا کہ اگر میری اجازت ہو تو آپ قندیل کو پارٹی میں لے جائیں؟ اس سے قل کبھی آپ کو مجھ سے کسی کام کے لیے یا آنے جانے کے لیے اجازت

دور کار ہوئی ہے؟ یہ سب چند دنوں سے ہو رہا ہے۔“

”ہاں ہاں کہہ دو جب سے قندیل یہاں آئی ہے تب سے ایسا ہو رہا ہے اس نے آتے ہی ہمارے کان بھرنے شروع کر دیئے وہ یہی بیان لے کر آئی ہے ہم سب کو ایک دوسرے سے جدا کرنے کا۔“ ان کے آنسو پھر بننے لگے تھے حسان نے شکوہ کناں نظروں سے ان کی جانب دیکھا تھا جو اس وقت باں سے زیادہ میکہ پرست وہ روائی عورت لگ رہی تھی جو ہر شے سے زیادہ میکہ کی عزت مقدم رکھتی ہیں۔

”وہ میکہ جہاں مجھے پھولوں کی طرح رکھا جاتا تھا اپنی کم عقلی و بد بختیوں کی وجہ سے جس کو میں چھوڑ آئی تھی میرے سے پتھر میں تبدیل ہو گئی تھی اس گھر نے ان لوگوں نے بلند طرف و فراخ دلی کا ثبوت دیتے ہوئے مجھے جیسی بد بخت کو معاف کر کے سینے سے لگایا تھا۔ اس لیے کہ وہ میرے اپنے تھے میں جن کا خون آئی اور برسوں بعد میرے لیون میں سے ایک وہ یہاں آئی ہے تو تم نے اس پر الزامات کسے گوزے برسا دیئے۔“

وہ اپنی حیرت مضطرب کیے ان کو خاموشی سے دیکھ رہا تھا وہ ماں جو صرف چند وہ جملے بولنے کی عادی تھی جو وہ روزمرہ سننے کا عادی تھا۔

”بیٹا! کیا کرتا جاؤ آج چائے کے ساتھ بڑا اہتمام کیا ہے۔ آفس سے آنے میں دیر کیسے ہو گئی؟ نیٹی نے فروٹ بنایا ہے رات کھانے پر تمہاری پسندیدہ ڈش بن رہی ہوں کھانا ہرمت کھانا۔“ یہ وہ جملے تھے جو وہ سننے کا عادی تھا جو بہت نرم و شیریں لہجے میں کہتے تھی اور اب اسی لب و لہجے سے چنگاریاں نکل رہی تھی۔

”میں! وہ الزام نہیں حقیقت ہے میں نے خود سنا ہے۔“

”یہ الفاظ تمہارے نہیں آئینے کے ہیں۔ اس نے ہی اس دن آگ لگائی تھی۔“ نیٹی کی محبت کا جادو سر چڑھ کر بول رہا تھا۔ قندیل کے لیے اس کے اندر نفرت مزید بڑھ گئی تھی اس کی نگاہوں میں وہ بہت شاطر و مکار تھی۔

”آپ مجھے اس قدر بد عقل سمجھتی ہیں جو کسی کی باتوں میں اڑوں گا؟“

عشرت نے کوئی جواب نہیں دیا ان کے چہرے پر خفگی بدستور تھی اور کچھ بھی تھا وہ سنجیدہ رکھ رکھاؤ الگ تھلک رہنے والا بندہ ماں کی ناراضگی برداشت نہیں کر سکتا دھیمے سے مسکرا کر گویا ہوا تھا۔

”اوکے نمی! آپ میری صاف گوئی سے ہرٹ ہوئی ہیں میں آپ سے معذرت کرتے ہوئے اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں۔“ وہ بھی بیٹے کی اداسی پر سب بھولی کر مسکرا دی تھی۔

یہ اسطرح کی کمر باندھ کر لے سوت میں اس کی موتیا جیسی رنگت خوب نکل رہی تھی نازک سی جیواری اور مہروں لب اسٹک نے اس کی دلہنی کو دوبالا کر دیا تھا، عشرت لائٹ اسکا کی کلر کی سائز میں سادہ سا جوڑا باندھنے بہت پر وقار لگ رہی تھی ان کے اصرار اور دل میں حبیب سے ملنے کی خواہش میں وہ چلی آئی تھی۔

حبیب پیلس کے وسیع و عریض لان میں بی پارٹی کی آرینجمنٹ بہت خوب صورت طریقے سے کی گئی تھی ان کو بڑی محبت سے دیکھ کر کہا گیا تھا۔

”اسی پارٹی میں چار چاند لگ جاتے اگر آپ ہماری بہو کو لے تیں۔“

ان سے ملتے ہوئے نیٹی کی ساس نے شکستگی سے کہا تھا۔

”بعض اوقات کچھ خاندانی روایات کی خاطر

خواہشوں کو دہانا پڑتا ہے ایسی ہی کسی مصلحت کے تحت میں مجبور ہوتی ہوں ورنہ نینے کتے میں کوئی حرج نہ تھا۔“ عشرت نے بہت خلوص سے مجبوری بیان کی۔

”یہ بات آپ کی بالکل درست ہے سسر عارف! ہم خواہ مخواہ ایدہ و اس ہو جائیں کتنی ترقی کریں مگر خاندانی وقار کے لیے ایسے اقدام اٹھانا ہی پڑتے ہیں میں نے بھی فیصلہ کر لیا ہے اب کوئی بھی پارٹی اسی وقت ہوگی جب میری بہو یہاں آچکی ہوگی۔“

بچی کے اچھے نصیب پر عشرت تہہ دل سے رب کی شکر گزار تھی جس نے محبت و قدر کرنے والے لوگ مہنی کے مقدر میں لکھے تھے۔

”بیٹا! آپ ہم بوڑھوں میں بیٹھ کر بور ہوں گی بنگ جزیشن میں بیٹھ کر انجوائے کریں۔“ حسیب کی مہاس سے مخاطب ہوئی تھیں۔

”یہ تو آنے کو تیار تھی زبردستی لے کر آتی ہوں کہ آپ نے بے حد اصرار کیا تھا ساتھ لانے کے لیے۔“

”آپ نہیں آئیں تو میں بہت مایوس کرتی۔“ وہ قندیل سے خلوص آمیز لہجے میں بولی تھی پھر اس کا ہاتھ پکڑ کر اس سست لے آئی تھی جہاں ان کی بیٹیاں مارہ اور سائرہ اپنی فریڈز اور کزنز کے ہمراہ خوش

گڈیوں میں مصروف تھیں انہوں نے ایسے ویلکم کہا تھا لہجوں میں ہی وہ ان سے کل مل گئیں تھی اپنے شوخ انداز اور مفسار طبیعت کے باعث وہ ہر جگہ فٹ

ہو جاتی تھیں مائزہ کی کسی بات پر ہنستے ہوئے اسے کسی کی گہری نگاہوں کا احساس ہوا تھا اس نے فوراً مڑ کر دیکھا تبیل سے کچھ فاصلے پر حسان کھڑا کسی سے گفتگو

کر رہا تھا اور گے بگ سے دیکھ رہا تھا نہ معلوم اس کی سر دہرنگاہوں میں ایسی کوئی پیش تھی کہ لمبے بھر کو اس کا دل ہم اٹھا تھا۔ پھر وہ تھپتھپ نہیں لگا سکی تھی۔ وہ

ورعشرت اسی کے ساتھ آئی تھیں جو یہاں آتے ہی لوگوں میں گم ہو گیا تھا میر کو اس نے کتنا کہا ساتھ آئے لوگمراس کی ایک ہی رٹ تھی۔

”یار! سمجھا کر وہاں ایک سے ایک بڑھ کر ایک حور شامل ہوگی دل کو کس طرح سنبالوں گا؟ فری ہوتا تو درکنار بھائی کی وجہ سے میں حسین نظاروں سے آنکھیں بھی نہ سینک پاؤں گا پھر جانے کا فائدہ ہی کیا؟“

اور وہ اسے برا بھلا کہہ کر چلی آئی تھی۔

”اونچے اونچے تھپتھپ لگانا کوئی مہذب طریقہ نہیں۔ یہ خیال رکھو یہ نینی کا سسرال ہے۔“

اسے تہوار دیکھتے ہی موقع پا کر وہ آ کر اپنے مخصوص لٹھ مار انداز میں گویا ہوا قندیل بارے جنگ کے سرخ پڑ گئی تھی۔

”کیا راز و نیاز ہو رہے ہیں کا مرید! ہمیں نہیں ملو او گے ہماری ہونے والی بھانجی ہے؟“ وہ حسان کا دوست تھا جو دور سے اسے سرگوشی کرتے اور جواباً قندیل کی سرخ پڑتی رنگت پر غلط فہمی کا شکار ہوا تھا۔

حسان اس کی غلط فہمی پر بری طرح بوکھلا گیا تھا اور قندیل وہاں رکی نہیں تھی سیدھی عشرت کے پاس آ گئی تھی۔

”میں تمہارے پاس ہی آ رہی تھی مہنی کی ساس کسی کام سے اندر گئی ہیں۔ حسیب سے ملاقات ہوگی یا نہیں؟“

عشرت بہت خوش تھی یہاں جو ان کو پذیرائی و فوقیت ملی تھی حسان کی ماں اور مہنی کے حوالے سے اس نے ان کی رگ رگ میں آسودگی بھری تھی ہر ماں کی طرح وہ بھی مہنی کے شاندار مستقبل سے مسرور تھی۔

”ابھی نہیں ہوئی۔“ وہ آہستگی سے گویا ہوئی تھی۔

”ارے تمہیں کیا ہوا یہ چہرہ اس قدر ترابو کیوں ہے؟“ اس کے سر جھائے ہوئے چہرے ہر نگاہ پڑی تو پریشانی سے گویا ہوئی۔

”کچھ نہیں..... میں ٹھیک ہوں۔“

”نہیں کچھ ہوا ہے کچھ دیر قبل تمہارا چہرہ گلاب کی طرح کھلا ہوا تھا۔“

”آپ پریشان مت ہوں کچھ ہوا! بس معمولی سا سر میں درد ہو رہا ہے۔“ ان کو ایک دم ہی پریشان ہوتے دیکھ کر اسے اپنے اندر ہوئی جنگ سے چند لمحوں کے لیے فرار حاصل کرنا پڑا وہ جبراً مسکرائی تھی۔

”لگ گئی نہ نظر..... مجھے یہی فکر ہو رہی تھی ماشاء اللہ بہت پیاری لگ رہی ہو کتنے لوگوں نے تمہاری بارے میں پوچھا سب یہی سمجھ رہے ہیں تم میری بہو نے والی ہو ہو۔“

”شاید وہ غلط فہمی میں آتی ہوئی بات کہہ گئی تھی یا اسنے لوگوں کو پوچھنے پر ان کے دل کی آرزو کیوں پر آ گئی تھی جس کا اظہار کرتے وقت انہیں احساس بھی نہیں ہوا تھا حسان بھی اس لمبے وہاں آ گیا تھا قندیل

کو اس کا یہ سننا برا لگا تھا۔ کم از کم ایسی باتیں اس کی سماعت تک نہیں جانی چاہئیں تھیں جو پہلے ہی اپنی وجاہت و اسراریتس کے زعم میں مفرور تھا۔

”حسان! قندیل کے سر میں درد ہے اسے کسی ڈاکٹر کے پاس لے جاؤ۔“ وہ اسے قریب دیکھ کر پریشانی سے بولیں۔

”معمولی سا درد ہے گھر جا کر ٹیبلٹ لے لوں گی۔ آپ فکر مت کریں۔“

اس کی گندی ذہنیت دزک پہنچانے والی باتوں سے وہ اس قدر متغیر ہوئی تھی اس کی صورت دیکھنے کی روادار تھی کجا کہ تنہا ساتھ جانا اس نے انکار کر دیا تھا حسان نے گہری نگاہ اس پر ڈالی پھر بولا۔

”یہاں پارٹی میں کئی ڈاکٹرز موجود ہیں انہیں.....“

”تو سمجھیں مجھے ضرورت نہیں ہے۔“ وہ بات قطع کر کے سرد مہری سے بولی تھی حسان کے پیچھے ہی حسیب چلا آیا تھا۔ اسارٹ اور خوش مزاج حسیب حسان کا ہی ہم عمر تھا مگر مزاج میں اس کی ضد تھا۔ کافی

دیر تک بیٹھا وہ ان سے گفتگو کرتا رہا تھا۔ موی حسیب کی کزن تھی وہ لیٹ آئی تھی۔

ریڈ ساڑھی پر گولڈن فینسی ورک تھا نفاست سے کیے گئے میک اپ گلے میں سیکس کانون میں سرخ پریل کے لمبے لمبے آویزے اس پر جج رہے تھے گولڈن کلری بال اس کے شانے پر بکھرے ہوئے تھے وہ ہلو ہائے کرتی سیدھی ادھر ہی آ گئی تھی پیچھو کو سلام کیا تھا۔ اس سے بھی سرسری طور پر ہاتھ ملایا تھا۔

بہت نکلت و نچوت بھرے انداز میں۔

”اوہ تو آپ ہیں حسان کی لاہور سے آنے والی کزن۔“ اس نے نیکی نظروں سے اس کا گہرا جائزہ لیا تھا اور پھر اس طرح بڑھ گئی جہاں حسان حسیب اور اس کی کزنز کے درمیان کھڑا تھا۔

حسان کے مس لبی ہونے پر اس کے نازک احساسات پہلے ہی بری طرح گھائل ہوئے تھے وہ اسی ناظم وہاں سے مارے غصے کے چلی آئی تھی اسے نہیں معلوم اس نے کیا کہہ کر اپنے دوست کی غلط فہمی دور کی تھی ذہنی کوفت سے دوسری بار اسے تب دو چار

ہونا پڑا تھا جب پچھو مہنی کی سسرال خواتین کے قیاس و ہرارتی نہیں جو وہاں آتے حسان نے سنے تھے اور ان سنی کر گیا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا لوگوں کو

دوسروں کے بارے میں اتنی فکر کیوں رہتی ہے اس کھونج میں کیوں رہتے ہیں کہ کوئی کون کے ساتھ ہے تو کیوں ہے؟ جب سب کو معلوم ہو گیا تھا وہ ان کے

www.pkdigital.com

بھائی کی بیٹی ہے تو پھر یہ قیاس کرنا ضروری تھا کہ وہ ان کی ہونے والی بہو سے متاثرہ اور سارہ نے بہت چاہا کہ وہ ان کے ساتھ بیٹھے مگر وہ نہیں مانی تھی جب دل پر ناگوار اور باتوں کا بوجھ بڑھ جائے تو پھر ہر شے سے طبیعت اچاٹ ہو جاتی ہے اور اس بوجھ میں اس وقت مزید اضافہ ہوا جب اس نے حسان وحسب کے سنگ بیٹھ کر مومی کے بلند ہانگ تھپتھپوں کی آوازیں یہاں بیٹھے بیٹھے سنی تھیں حسان کے چہرے کی مسکراہٹ نے اسے پوری طرح اس سے بدظن کر ڈالا تھا۔ منافقت و خود پسندی کی بھی کوئی حد ہوتی ہے۔

راستے میں وہ بالکل خاموش بیٹھی رہی حسان کی جانب ایک دفعہ بھی نہ دیکھا تھا جو ذرا یونگ کے دوران بیک مرر میں نظر آتے اس کے گلے کوئی بار دیکھ چکا تھا۔ فرنٹ سیٹ پر براہ جان عشرت حسیب اور اس کی فیملی کی خوش اخلاقی و مہمان نوازی کے گمن گاہی تھیں۔ گیمرج میں کارر کتے ہی وہ تیزی سے اتر کر اندر آ گئی تھی پیچھے آئی عشرت نے نیلی سے کہا تھا وہ چائے کے ساتھ اسے سرور کی ٹیبلٹ دے اور خود نے اس کی نظر اتاری تھی۔

مگر معاملہ نظر کا نہیں دل کا تھا وہ اس کی ہر تزلزل ہر الزام برداشت کرتی رہی تھی محض پھپھو کی خاطر جن کی یہی کوشش ہوتی تھی وہ خوش رہے اور ایسی کوئی بد مزگی یا دل آزاری نہ ہو جو ان کے درمیان فاصلوں کا باعث بنے ان کی احساسات و جذبات سے قطع نظر حسان کا رویہ اسے یہاں سے بھگانے کا تھا اور اس نے آج جو اس نے بات کی تھی وہ اسے بھول نہیں رہی تھی دل تھا کہ بھر بھر آ رہا تھا وہ رونا چاہتی تھی آنسوؤں کا گولہ سا اس کے حلق میں اٹک رہا تھا۔

اس نے برابر میں نیلی کی جانب دیکھا وہ بے خبر سو رہی تھی۔ اس کے خوبصورت چہرے پر آنسوؤں کی

پھیلی ہوئی تھی اس پر رضائی ڈال کر وہ ہر آئی اور لان کے اس گوشے میں بیٹھ گئی جو درختوں کے بڑے پتوں سے گھرا ہوا تھا وہاں نصیب لکڑی کی بیخ پر وہ گھٹنوں میں چہرہ چھپا کر رو رہی تھی۔ کتنے شوق و محبت سے وہ یہاں آئی تھی پھپھو کو وہ اس عمر سے پسند کرتی تھی جب شعور و آگہی کی منزل سے نا آشنا تھی۔ خوبصورت چہرہ و بدقادر شخصیت والی عشرت خاتون جو سالوں میں چند دن کے لیے ان کے ہاں آئی تھیں ان گنتی کے دنوں میں سالوں کی محبت ان میں پانی جاتی تھیں خصوصاً اس سے تو بہت زیادہ پیار کرتی تھیں تحائف بھی زیادہ لاتی تھیں، عیسرینی سے بھی اس کی خوب بنتی تھی وہ سب مل کر خوب شرارتیں کرتے تھے حسان ان کے ساتھ نہیں آتا تھا، بھی اس کے ایگزامز ہو رہے ہوتے یا بھی کسی کورس کے سلسلے میں وہ مصروف ہوتا اور بھی آتا بھی تو ایک دن سے زیادہ ٹھہرنا نہیں تھا وہ لوگ سمجھتے تھے مصروفیت کے باعث وہ ایسا کرتا ہے مگر اب یہاں آ کر اس نے محسوس کیا وہ مصروفیت نہیں نفرت کے باعث تھا۔ ایسا کیوں تھا؟ وہ اس کا جواب نہیں پاتی تھی۔

حسان کھڑکی بند کرنے کے لیے اٹھا تھا جب اس لان میں کسی کی موجودگی کا احساس ہوا اس نے قدرے جھک کر دیکھا توف وائٹ دوپٹہ لہراتا ہوا دکھائی دیا ساتھ وہ بھی جو گھٹنوں میں چہرہ چھپائے بیٹھی تھی۔ اس نے پہلے تو نظر انداز کرنا چاہا مگر اندر ہونے والی ایک بے نامی بے چینی نے اسے نیچے لان میں آنے پر مجبور کر دیا۔ قریب جانے پر سنائی دینے والی دبی دبی سسکیوں نے اسے ساکت کر دیا تھا۔

قدموں کی آہٹ پر اس نے چہرہ اٹھا دیا وہ سامنے کھڑا تھا حیرانی و پریشانی اس کی سہرا کثیر آنکھوں سے

عیاں تھی، لمحے بھر کو نگاہوں کا تصادم ہوا تھا ان بھیگی بھیگی سرخ آنکھوں میں ہر بھی صاف رقم تھی۔ ”یہ آدھی رات کو رونے کا سبب؟“ اسے کھڑا ہوتے دیکھ کر وہ گویا ہوا۔

”یہاں رونے کے لیے بھی پریشانی لینی پڑتی ہے؟“ ”نہیں۔ لیکن اس طرح رونا کسی مہمان کا میزبان کے لیے پریشانی کا باعث ہوتا ہے۔“ اس کے انداز پر وہ بے ساختہ مسکراتا ہوا بولا۔

”ہونہ مہمان و بال جان کہئے۔“ ”یہ میں نے کب کہا؟“ اس کے بھاری لہجے میں حیرانی کا عنصر تھا۔

”پہلے دن جو آپ سے گھراؤ ہوا تھا مفضل اتفاق تھا لیکن آپ نے اس کو اپنی اپنا کا مسئلہ بنا لیا اور پھر نہ معلوم کیوں آپ مجھے من مہم کر گئے۔“

”جو کہنا ہے صاف ہوئیں اس طرح کی گفتگو سمجھ نہیں پاتا ہوں۔“ اس کے انداز مخصوص پتھر ملی سنجیدگی و دلائی۔

”میرے بارے میں آپ کا خیال ہے میں کوئی خطرناک عزائم لے کہ آپ کے گھر میں آئی ہوں جیسے کوئی ملک دشمن ایجنٹ تخریب کاریاں کرنے آتے ہیں؟“ مسند اٹ ایہ کام میں نہیں آپ اپنے گھر میں رہ کر خود کر رہے ہیں۔“ اس نے یہاں سے جانے کا فیصلہ کر لیا تھا اور جانے سے قبل اس کی طبیعت بھی صاف کرئی ضروری تھی تھی۔ وہ اس سے نہ کہی مگر گھر والوں سے ردید درست کرے۔

”آپ اس دنیا میں انوکھے شخص نہیں ہیں جن کے کاندھوں پر والد کی ذمہ دہ کے بعد ذمے دار یوں کا بوجھ پڑ گیا ہو بے شمار لوگ ہیں ایسے جو اس طرح کے پراہم نہیں کرتے ہیں بزنس بھی کرتے ہیں اور اپنی

پر خلوص محبت اور اہمیت سے موردل سپورٹ بھی دیتے ہیں آپ نے بھی سب دیا ہے مگر کسی جبری مشقت و بوجھ کی طرح جو کسی بھی محبت خلوص و اعتماد کی سرشار سے دور ہے۔“

رات کے اس پہر جب چاند آسمان کے وسط میں چمک رہا تھا ٹھنڈی ہوائیں پھولوں کی خوشبوؤں سے بو بھل تھیں ماحول پر رات کی خاموشی چھائی ہوئی خوابناک بنا رہی تھی وہ ہونٹ تھپتھپا سے سن رہا تھا۔

”بھائی آپ جیسے نہیں ہوتے جن کے قدموں کی آہٹوں سے بہن بھائی سہم جائیں کیا کسی بیٹے کو یہ زیب دیتا ہے کہ ماں کی عظمت و رتبہ بھلا کر ان پر رعب رکھے؟“ آپ نے اسے طر پر عمل پر غور کیا ہے؟ ابھی بھی وقت ہے دیا ننداری ہی اپنا محاسبہ کیجئے کہ آپ کیا کھو رہے ہیں اور کیا پارے ہیں؟ گھر میں محبت و اہمیت سے گونجنے والے تھپتھپاتے لگتے ہیں یا سب سے ہوئے افرودہ خاموشیاں و سنائے؟ سوچنے اپنے طر پر عمل کے متعلق۔“

وہ لا پروا کھلندری سی لڑکی جس کا کام بے تحاشہ ہنسنا و شوخیاں کرنا تھا اتنی حساس ہوگی اسے امید نہ تھی وہ اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہ گیا۔

اس نے پھپھو کی لاعلمی میں پایا کو کال کر دی تھی دوسرے دن عامر لینے آ گیا تھا پھپھو نیلی میر سب نے ہی کتنا چاہا کہ وہ زیادہ نہیں تو کم از کم نیلی کی ایک ہفتے بعد ہونے والی منگنی تک رک جائے لیکن اس کا دل لمحے بھر کو یہاں رککنے کے لیے راضی نہ تھا جہاں اس معرور و اتار پرست سے صبح و شام سامنا ہونا لازمی تھا اور وہ اب اس کے سائے سے بھی متفر ہو چکی تھی۔ گھر آ کر پایا و دما کے سینے سے لگ کر نہ معلوم احساس کے تحت وہ رو پڑی تھی شریں بھائی عابد

بھائی سب ہی اس سے اس تپاک سے ملے جیسے وہ سال بعد لوٹی ہو پاپا تو خاصی دیر تک اسے سینے سے لگا کر بیٹھے رہے تھے۔

”کاش! میں بھی آپ کی بیٹی ہوتا پاپا! تو مزہ آ جاتا۔“ پاپا نہیں مگر ماما تو ہم کو اپنی بیٹی ہی سمجھتی ہیں۔ جلیس کیوں ہوتے ہو سوئیٹ برادر۔“ قندیل نے اسے پڑایا۔

گھر آ کر وہ حسان کے کھنور روئے کو خاصی حد تک بھلا چکی تھی دن آسانی سے گزر جاتا عامر سے ٹوک چھوٹک ماما سے باتیں اور بھابھی سے گپ شپ میں نام گزرنے کا احساس ہی نہیں ہوتا تھا البتہ رات کو کسی پہرہ نکھ کھل جاتی تو خود بخود ہی اس کی باتیں کڑوی سیلی کی ذہن میں گونجنے لگتی تھیں پھر نیند تو گویا دھجھ جاتی کس قدر زور آور ہوئی ہے معتبر ہونے کی چاہ! اختیار و ارزاں ہونے کا ریز مجب کے تمام امرت کو زہر یا کر ڈالتا ہے لوگ کس طرح آپس میں نفرتوں کے بندھن باندھ کر بیٹے لیتے ہیں؟ کس طرح کسی کی تقدیر کر کے خوش رہتے ہیں؟

اسے کتنے لوگوں کی محبتوں و چاہتیوں کی چھاؤں نصیب تھی۔ وہاں پچھو پچھو پر رکتی تھی یہاں ماما پاپا بھائیوں کی آنکھوں کا نور بھی ان بے شمار محبتوں پر اس شخص کی نفرت اسے بہت بھاری محسوس ہوتی تھی۔

نینی کی منگی کا دن بھی آ کر گزر گیا وہ چاہنے کے باوجود نہیں گئی تھی وہاں سے کسی کا لڑائی رہی تھیں اس کی ماں ہاں میں نہ بدلی تھی گھر سے ماما پاپا گئے تھے وہ بھابھی کے پاس رہی اس دن وہ رات تک باہر رہی تھی کتنی خواہش تھی اس کی نینی کو وہاں بننے دیکھنے کی جو خواہش ہی رہی تھی دوسرے دن اس نے نینی کو کال کی تاکہ معلوم کر سکے مفتی کی تقریب کیسی رہی۔ شدید غصے کے باعث اس نے کال ریسیو نہیں کی اس سے مایوس

ہو کر عمیر کو کال ملائی تاکہ وہ فونز کی بات کرے۔

”عمیر! کہاں مر گئے ہو؟ میں کب سے کال کر رہی ہوں۔“

بار بار کال ملانے پر اس نے کال ریسیو کی تو وہ غصے سے گویا ہوئی۔

”عمیر نہیں ہے۔“ دوسری جانب سے وہ ہی مخصوص سرور سیاٹ لہجہ ابھرا اور کال ڈسکنیکٹ کر دی۔ وہ سن ہی کھڑی رہ گئی۔ وہ دلوں کو تو ڈر مسرور ہونے والا شخص نہ معلوم کسی کے جذبات کو روند کر اسے کیا خوشی حاصل ہوئی تھی ایسا روکھا جواب تو کسی اجنبی کو بھی نہیں دیا جاتا بیگانوں سے بھی لحاظ و مروت سے بات کی جاتی ہے وہ تو پھر اس کی کزن بھی خواہ ناقابل برداشت ہی رہی۔

دل تو پہلے ہی مفتی میں نہ جانے پر افسردہ تھا اس افسردگی کو نینی کی مفتی نے اور بڑھ دیا تھا وہی کسی سرور اس بے حس نے پوری کر دی تھی وہیں صوفے پر بیٹھ کر وہ رونے لگی تھی۔

”قندیل! قندیل عمیر کا فون ہے۔۔۔۔۔ ارے تم رو کیوں رہی ہو؟“ بھابھی پکاری ہوئی اندر داخل ہوئی تھی اسے زور و شور سے روتے ہوئے دیکھ کر پریشانی سے گویا ہوئی تھی۔

”تمہارے بھائی سمجھتے کیا ہیں خود کو؟ انہیں بات کرنے کی تمیز نہیں ہے۔“ وہ بھابھی سے سیل لے کر غصے سے گویا ہوئی تھی ”بات کرنے کے کچھ نمبر زبھی ہوتے ہیں اس طرح سر جھانڈ منہ بھاڑ جواب کوئی دیتا ہے بھلا۔“

دوسری جانب سے جواب نہیں آیا تھا بھابھی اس کے قریب بیٹھ گئی تھیں۔

”ہاں۔ ہاں کو اب خاموش کیوں ہو؟ تم تو اپنے بھائی کی سائیز لو گے تمہیں وہ غلط کب لگتے ہیں وہ جو

کچھ کر رہے ہیں درست لگتا ہے۔“

”اپنی علی جس وقت آپ کی کال آئی تھی میں اس وقت میننگ میں تھا عمیر اپنا سیل میرے پاس بھول گیا ہے میں گھر جا رہا ہوں وہاں جا کر آپ کی بات کروادیتا ہوں اوکے۔“ سیل آف ہو چکا تھا۔

اتنا شائستہ لہجہ ایسا مہذب و نرم انداز اسے اپنی سماعتوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ ابھی کچھ دیر قبل ہی تو وہ اس کا اکڑ وخت لہجہ سن چکی تھی۔

”بھائی! آپ تو کبہر ہی نہیں عمیر کی کال ہے؟“ وہ سخت بوکھلا اٹھی۔

”اسکرین پر نمبر و نام عمیر کا ہی آ رہا تھا۔“

”اچھا“ حسان بھائی نے عمیر کے ہی سیل سے کال کی ہوگی ان کے پاس میرا سیل نمبر نہیں ہے یہ تو اچھا نہیں ہوا میں نے عمیر سمجھ کر بہت برا بھلا کہہ دیا۔“ اس وقت اسے حقیقتاً انقدر شرمندگی محسوس ہو رہی تھی ویسے تو برو وہ اسے کچھ کچھ جانتی رہی تھی مگر

اس انداز میں لحاظ و احترام موجود ہوتا تھا اب مارے غصے و حمال کے وہ بہت کچھ کہہ گئی تھی جواب شدید تر بچھڑتا وے کا باعث بن رہا تھا بھائی کے استفسار پر انہیں مکمل بات بتادی۔

”یہ تو بالکل افسانوی سین ہو گیا اور حسان کی پرستانی و انداز بھی ہیرو کی طرح ہی سے عموماً لڑکیاں ایسے ہی ہیرو کو پسند کرتی ہیں۔“ وہ شوخ ہوئی۔

”بہت غلط کرتی ہیں لڑکیاں ایسے لوگوں کو مسترد کر کے خوش مزاج و خوش اخلاق انسان کے ساتھ زندگی گزارنا پھر بھولوں کی ہمسفری ہوتی ہے ایسے لوگوں کا ساتھ کانٹوں و انکاروں کی مانند ہوتا ہے۔“

بھابی حیرانگی سے اس لڑکی کی طرف دیکھ رہی تھی جو کچھ عرصہ قبل لالہ ابی و لا پڑا تھی پوری کوشش میں تھی کی مانند بے فکری سے بھاگتی پھرتی تھی۔ جب سے وہ

کراچی سے آئی تھی بہت بدل گئی تھی باتیں کرنا شرمائیں سیر پائے عامر سے لڑائیاں بہت ہی کم ہوئی تھیں اور اب بہت سنجیدگی سے لگی گئی اس کی فہم و درست دلی بات نے انہیں حیران کر دیا تھا۔

”ماما! بابا! آئے تو مفتی کی تقریب کی مووی کے ساتھ تصویروں کا اہم بھی لائے تھے ان کے بھیجے ہوئے کفنس بھی تھے۔ اس نے جلدی سے پہلے اہم کھولا تھا وہاں نینی ہوئی نینی بہت کیوٹ لگ رہی تھی جمیپ کے ساتھ بیٹھی ہوئی وہ جوڑی مکمل لگ رہی تھی تصویریں بہت تھیں جن میں اس کے سسرالیوں کے علاوہ پچھو و اس اور چچاؤں کی میملیز کی تصویریں بھی تھیں ایک کے بعد ایک تصویر بغور دیکھنے کے بعد جس امر نے اسے تعجب و حسمس میں مبتلا کر دیا تھا اس کو جاننے کے لیے اس نے سی ڈی آن کی تھی اور اس میں بھی ایسے ناقابل یقین مناظر دیکھ کر وہ بے ہوش ہوتے ہوتے رہ گئی تھی۔

وہ حسان ہی تھا ہنسا مسکراتا عمیر سے بے تکلفی سے بات کرتا بھی اس کا ہاتھ ہاتھوں میں لے کر کبھی اس کے شانے پر بازو رکھ کر گفتگو کرتا جیسے وہ کلوز فرینڈ رہے ہوں۔ عمیر کی آنکھوں اور پیچھو کے چہرے پر اسے وہ اعتماد سے پر زندگی سے بھر پور چمک نظر آئی تھی وہ چمک وہ اعتماد جو وہ دیکھنا چاہتی تھی وہ آسودہ حالی جو دلوں کو ہی نہیں روحوں کو بھی سرشار کر دیتی ہے۔

اس دن ماما اور بھابھی اتار گئی ہوئی تھیں پاپا عامر اور عابد بھائی آفس گھر میں رک گئی تھی موسم ابراؤو تھا ہوانے آئے آبل سمیٹ لیے تھے۔ ماحول پر بے کیف اداسی پھیلی ہوئی تھی جو غیر محسوس طریقے سے اس کے دل تک رسائی پا چکی تھی وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی کئی دنوں سے اس کے اندر بے چینی و اضطراب سا پھیل

”نی الحال کچھ نہیں تم بیٹھو مجھے تیرے بات کرنی ہے۔“ اس کے لہجے میں سنجیدگی دہاتی تھی۔ وہ دوسرے صوفے پر بیٹھ گئی۔

”میں نے بچپن سے زندگی کا وہ روپ دیکھا جو شاید ہی کسی کو نظر آتا ہے بات بات پر مٹی کو بے عزت کیا جاتا تھا گھر میں ان کی کوئی ویلوٹیوٹس تھی پچھیاں بڑے فخر سے جان بوجھ کر ایسے میسے کی تعریفیں کرتی تھیں بڑے فخر سے جایا کرتی تھیں وہاں سے آئے والوں کو داوی جان اور پیچھو میں بہت عزت دیتی تھی جبکہ ماما کی کورٹ میرج کو ایڈو بنا کر انہیں روکنے پر مجبور کر دیا جاتا تھا۔ میں نے ماما کو چھپ چھپ کر روتے ہوئے دیکھا تھا۔ ملازموں کو ہوتے ہوئے گھر کے کاموں میں لگے ہوئے دیکھا تھا۔“

”مٹی کو خاندانی روایت سے بغاوت کرنے کی بہت بڑی سزا ملی تھی وہ عزت و حیثیت بھی نہیں ملتی جو ان کا حق تھی اور ان کی دونوں نہ جاننے کی صورت میں آمنتی کی باتوں کو سچ سمجھنے لگا تھا وہ کہتی ائی کو بیٹی نہیں ہوتی چاہے بھی کون شادی کرے گا ایسی لڑکی سے جس کی ماں نے گھر سے بھاگ کر شادی کی ہو بیٹا! مٹی پر ابھی سے کڑی نگاہ رکھو ماں کا اثر بیٹی پر نہ آ جائے۔ کل کلاں کو وہ بھی کسی کے ساتھ فرار ہوئی تو ہم تو زندہ نہ رہ پائیں گے یہ تو تمہاری ماں کے ماں باپ ہی بے غیرت تھے جو بیٹی کی ایسی حرکت کے بعد بھی زندہ رہے پھر جیسے جیسے وقت گزرتا رہا میرے اندر بے اعتمادی بڑھتی گئی دوست و احباب سے میں کئی کئی گنا دور ہو گیا تھا۔ انسان جس سے بچتا چاہتا ہے وہی خوف اس کا پیچھا کرتا ہے کسی نہ کسی طرح سے خفیال کا ذکر نکل آتا جو مجھے منہ چھپانے پر مجبور کر دیتا اور میں بے اعتمادی کا شکار ہوتا چلا گیا۔ مٹی کو میں نے بھی بھی دوستیاں کرنے نہیں دیں گھر

رہا تھا دل کوئی انجانی سرگوشی کرنے لگا تھا جیسے کسی کو چپکے چپکے یاد کر رہا ہو کسی کی وید کا تمنائی ہو پرس کا؟ گون ہے وہ؟ اس نے گہری سانس لیتے ہوئے خود سے پوچھا اور جواباً جو کلمہ اس نے اسے آنکھیں کھولنے پر مجبور کر دیا دل کی دھڑکنوں کے شور میں جس کا نام کوچ اٹھا تھا وہ وہی سنگدل و بے مروت شخص تھا جس نے بھی اسے قابل انتقاد نہ جانا تھا جو اس سے نفرت کرتا تھا اس کی کشتی ساحل پر آ کر ڈوبے گی یہ اسے معلوم نہ تھا دل کی اس چالبازی پر وہ مستشدر بھی تھی کہ ملازمہ نے مہمان کے آنے کی اطلاع دی تھی اس وقت مہمان کی آمد ناگوار لگی تھی مگر گھر میں کسی کے نہ ہونے کے باعث حق میزبانی اسے ادا کرنا ہی تھا وہ کھوٹی کھوٹی سی لیوٹک روم میں داخل ہوئی تھی اور گھبرا کر رک گئی۔ اس کے دل کا چور سامنے صوفے پر بڑی شان سے پر ابرج تھا کیا اس کی تڑپ اتنی شدید تھی جو اسے یہاں پہنچ لائی تھی یا وہ شخص آنکھوں کا دھوکا تھا جو حسان اس کے سامنے بیٹھا تھا۔

”السلام و علیکم اتم انی حیرت سے کیا دیکھ رہی ہو بھئی میں بذات خود ہوں کوئی میرا بھوت نہیں ہے۔“ وہ دلکش انداز میں مسکرا کر گویا ہو۔

”آپ! اس طرح... تنہا آئے ہیں؟“ وہ خود پر قابو پانے کی تنگ و دو میں جھک گئی تھی۔

”پھر کیا بارات لے کر آتا؟“ اس کے بھاری لہجے میں تپش تھی۔ ”میرا مطلب ہے مجھے تنہا ہی آتا تھا۔“ اس کی پرشوق نگاہوں سے وہ ہری طرح بکھلائی تھی نہ معلوم آج کیا ہوا تھا جو انوکھے حالات سے اس کا واسطہ پڑ رہا تھا۔

سے وہ میرے بائیس کے ساتھ ہی نکلتی تھی نانا اور نانی کی زندگی کی آخری دنوں میں انہوں نے مٹی کو گھر آنے کی اجازت دے دی تھی معاف کر دیا تھا مگر اس وقت تک بہت دیر ہو چکی تھی۔ مٹی میسے اور سسرال دونوں جگہوں سے اپنی اہمیت کھوجتی تھی کاش! وہ خاندانی غیر شرعی رسموں کو توڑ کر مٹی کی خواہش کو اپنا کا مسئلہ نہ بناتے تو پاپا کے پیار کو قبول کرنے سے قبل اپنی رسموں و رواج کا مٹی ہی خیال کر لیتی تو تمام عمر کی حسرت و نارمائی تو جسے میں نہ آتی۔ آج کے دور میں تیزی سے پھیلتا ہوا پیند کی شادی کا رجحان جہاں نو جوانوں کی گمراہی و دین و دنیا کی عاقبت سے محرومی کا باعث بن رہا ہے وہیں یہ بڑوں کی فرمودہ ہٹ دھرمی بے جا اصول پرستی کا نتیجہ بھی ہے جب ہمارا مذہب اسلام اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ شادی بے قبل لڑکی کی رضا مندی بھی ضروری ہے تو پھر اس وقت یہ دھوکے کیوں رچایا جاتا ہے جب بارات دھلیز پار کر چکی ہوتی ہے اس وقت کیوں عزت کی چھری اس کی گردن پر رکھ کر نکاح کے وقت رضا مندی لی جاتی ہے حالانکہ یہ رضا مندی رشتہ قبول کرنے سے قبل لینی چاہئے۔“

وہ خاموش ہوا تو بڑی لمبیخبر خاموشی چند لمحے طاری رہی۔

”اگر ایسا ہوتا تو پچھو اتنی مشکل زندگی نہ گزارتیں“ دادا دادی بھی ان کا دکھ لے کر اس دنیا سے نہ جاتے پاپا کو بھی میں اکثر تنہائی میں روتے ہوئے دیکھتی ہوں وہ پچھو سے بے انتہا محبت کرتے ہیں مگر شاید ان کے پاس اظہار کے لیے الفاظ نہیں ہیں۔“

”ابھی سوچوں میں کم ہو کر میں نہ معلوم کب مٹی اور ان بہن بھائی سے دور ہو گیا جن کی خوشیوں و مسکراہٹوں کی خاطر میں نے کٹھن محبت کرنے کا عزم

کیا تھا میں ان سے محبت تو کرتا تھا مگر اظہار کا طریقہ بھول گیا تھا اسے محرومی کہہ لیں یا احساس کمتری کہ وہ آگ جو مجھے بچپن سے جلا کر تبسم کر رہی ہے اس تکلیف نے مجھ سے حساسیت و گداز پزیر چھین لیا تھا اور اس جگہ میں سرگرداں رہتا کہ میرے اپنوں کی پرستش میں کوئی کمی نہ آئے کوئی ہمیں تھک آمیز نگاہ سے نہ دیکھے کوئی مٹی کی تذلیل نہ کرے یعنی باعزت طریقے سے گھر رخصت ہو بہت ساری خواہشوں کے هجوم میں گھر کہ میں بھول گیا کہ محبت کرنا خیال رکھنا ہی کافی نہیں ہوتا ان جذبول کا اظہار بھی از حد ضروری ہے۔ محبت و اپنائیت نمود و نمائش کی چیز تو نہیں ہے لیکن کچھ رشتوں میں نمود بھی ضروری ہے خلوص کے ساتھ قدیل اس نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے نرم لہجے میں کہا۔ ”یہ روشنی یہ گزرا راہ مجھے تم نے دکھائی ہے اگر قدم قدم پر تم مجھے احساس نہ دلاتیں میرے رویے کی بدصورتی کا تو شاید انجانے میں اسی طرح سے ان کو بھی تکلیف میں رکھتا خود بھی رہتا۔“ اس کی سحر انگیز نگاہیں۔

دلادیز لہجہ۔ مسکورتن انداز۔

قدیل کا دل بے ہنگم انداز میں دھڑکے جا رہا تھا۔ وہ اس کی نگاہیں پوری شدت سے اپنے چہرے پر محسوس کر رہی تھی۔ اس کی پلکیں گویا کسی ان دیکھے بوجھ سے بھاری ہوئی تھی اور زبان کنگ۔ ”اتم سوچی میں نے بہت برا سلوک کیا ہے تمہارے ساتھ۔“

وہ پتھروں جیسا شخص جس کی گفتگو سنگریزوں جیسی ہوتی تھی اس نے جب بھی بات کی کاٹ دار انداز میں کی نظر میں کی آج جب وہ اپنی غلطی تسلیم کر رہا تھا تو کیسا گداز آمیز بوجھ بن گیا تھا کسی سحر کی دھند میں

پرستی نرم نرم ٹھنڈی ٹھنڈی خوش گوشت بھوکا کی مانند۔

”کیا... تم مجھے معاف کر سکو گی؟“ وہ اس کی خاموشی کو محسوس کر کے تنجیدگی سے استفسار کر بیٹھا اور وہ جو اس کے بدلے ہوئے انداز سے بہت خوش ہوئی تھی۔ سب سے زیادہ مسرت اسے اس بات کی تھی کہ پچھو کو ان کا کھویا ہوا مقام مل گیا تھا۔ عمیرا و رینی کو ان کا حق وہ یہی چاہتی تھی ان کے ڈولے سے چرواہے پر اعتماد و مسرت کی پرسکون روشنی جو سامنے بیٹھے شخص کے انداز گفتگو سے عیاں تھی۔

پھر نہ معلوم یہ مسرت کے آنسو تھے یا اس کی کی جانے والی تذلیل کا احساس آنسو بے موقع مہمان کی آمد کی مانند آتے چلے گئے۔ وہ انہیں روکنے کی سعی میں سامنے بیٹھے حسان کے روشن چہرے پر پھیلتا ہوا تاریک سایہ نہ دیکھ سکی باہر برسات شروع ہو گئی تھی اس کی آنکھوں کا ساتھ آسمان نے بھی دینا شروع کر دیا تھا اس دم باہر سے ملازمہ کی ٹرائی لانے کی آواز کے ساتھ نما اور بھانسی کی آواز بھی آرہی تھی وہ ایک دم گھبرا کر اٹھی تھی یہ سوچ کر انہیں اس شخص کے ساتھ بیٹھ کر رونے کا کیا جواز پیش کرے گی؟ اس خیال سے وہ بنا کچھ کہے اندرونی دروازے سے باہر نکل گئی تھی وہ بند ہوتے دروازے کو دیکھتا رہ گیا تھا۔

رات خوب بارش برہی تھی۔

ہر شے دھل کر نکھر گئی تھی۔ اس نے کھڑکی سے پردہ ہٹا دیا تھا باہر لان میں نکھرے نکھرے سبزے و شوش پھولوں کی خوبصورتی اس کے چہرے پر تراوت و تازگی بخروی تھی۔ پھولوں کی تمام خوبصورتی اس کے چہرے پر در آئی تھی۔ موسم کے تمام رنگ اس کی آنکھوں میں سمٹ آئے تھے دل میں پیدا ہونے والی نوزائیدہ سوچیں چند گھنٹوں میں ہی پر شباب ہو گئی

تھیں وہ خوش تھی بہت خوش! یہ احساس ہی کتنا جاں افزا ہوتا ہے یہ احساس کہ آپ کی ذات کسی کے لیے کوئی حیثیت رکھتی ہے۔ کوئی آپ کو اہمیت دیتا ہے اور یہ تمام احساسات آپ کو اس ایک شخص سے ملیں جو آپ سے بہت قریب ہو جیسے دل سے دھڑکن ہوئی ہے جس طرح زندگی سے سانس! آنکھوں سے بصارت وہ ایسا ہی اہم ہو چکا تھا یہ خیال ہی کتنا خوش کن تھا کہ ”وہ آیتھا اور دل سرگوشی کر رہا تھا وہ اس کی خاطر آیا ہے اس سے معافی مانگنے“ کوئی ایسے ہی تو نہیں آ جاتا اس کے دل میں بھی ”کچھ“ ہے تب ہی وہ یہاں سے آیا ہے۔“

دل اسی سرور میں گم تھا پھر اپنے کمرے میں آنے کے بعد وہ باہر نہ نکلی تھی۔ مٹا بھائی کو آتے دیکھ کر سونی بن گئی تھی اپنے رونے پر اسے شرمندگی تھی۔ متورم سے وہ کسی کا سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی ابھی اس نے چمک سوٹ پہنا تھا بال بال پرش کیے تھے کھڑکی میں کھڑی ہو کر وہ اس کا سامنا کرنے کی ہمت و اعتماد پیدا کر رہی تھی۔

”اوہو! کیا بات ہے یہ تہا تہا کیوں مسکرایا جا رہا ہے؟“ بھائی کی آواز بروہ چونکی تھی وہ خیالوں میں اتنی مگن تھی جو ان کی آمد کو محسوس ہی نہ کر سکی جو قریب کھڑی اسے بغور دیکھ رہی تھی۔

”ناشتے کا ارادہ نہیں ہے؟ رات کو بھی بناؤ نہ رکھے جلدی ہو گئی تھی۔“

”یہ معلوم کس طرح رات کو جلدی نیند آ گئی تھی۔“ حسان بھی کیا سوچتے ہوں گے تم ان کے گھر گئی ہفتہ کر آئی اور یہاں انہیں چند گھنٹے بھی پہنچی نہ دے سکیں۔“

”چند گھنٹے؟“ ان کی بات پر دل میں عجیب سی ہوک اٹھی تھی قدم قدم گئے۔

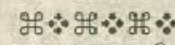
”ہاں بھئی“ چند گھنٹے وہ چائے پی کر چلے گئے تھے بہت روکا مگر وہ نہیں رکے کہنے لگے بڑا س کے سلسلے میں آئے تھے فوری جانا ضروری ہے۔ عشرت پھچھو کے جیتے ہوئے نفیس دینے آئے تھے۔“

لحے بھر کو اسے محسوس ہوا جیسے دل بند ہو گیا دھڑکنیں مٹ گئیں۔ دنیا جڑ گئی ہر سواند ہیرا چھا گیا۔ چراغوں میں روشنی ندری جام حیات ریزہ ریزہ ہو گیا۔ اف! یہ عشق کی آگ ہر آگ سے بڑھ کر بھڑکنے والی محبت کا روگ ہر روگ سے بڑھ کر روگی بنادینے والا اسے کیوں لگ گیا؟

خوش گمانیوں کی خوش رنگ تئیاں کل ساری رات اس کے ارد گرد اڑتی رہی تھیں۔ اب اڑیں تو حقیقت کے بد نما رنگ اس کے ہاتھوں پر چھوڑ گئی تھیں رونے کے لیے۔ ناشتا اس نے برائے نام ہی کیا اور موقع پاتے ہی اپنے روم میں چلی آئی تھی۔ لڑکیاں بھی کتنی یاگلی ہوتی ہیں دل کی باتوں میں آکر ان پر اعتماد کر بیٹھتی ہیں جو بھی اعتبار کے قابل ہی نہیں ہوتے ہیں ان کو اپنا سمجھتی ہیں جو کبھی کسی کے بن ہی نہیں سکتے کسی کو چاہا نہیں سکتے وہ اس خوش فہمی میں مبتلا بھی وہ بھی انہی احساسات کے زیر اثر یہاں تک چلا آیا جو اس کے اندر موجزن تھے جذبوں کی کشش اسے یہاں پہنچا لاتی تھی مگر اس کی چند گھنٹوں کی آمد نے باور کرا دیا تھا وہ اس کی خاطر نہیں آیا تھا اس کے دل میں کچھ نہ تھا وہ صرف اس کا شکر ادا کرنے آیا تھا کہ کب وہ کسی کا احسان رکھنے کا عادی تھا۔ وہ خود سر ہٹ دھرم و مغرور سہی مگر احسان فراموش ہرگز نہ تھا۔

”تم یہ کیوں بھول گئیں ان کی لائف میں پہلے سے ایک لڑکی موجود ہے وہ سہری پالوں و سیاہ آنکھوں والی موی جس کی بے باکی و بلند توقعہ لگانے والی عادت تھی اس شخص کو بری نہیں لگتی جو کسی کی اونچی آواز سننے کا روادار نہیں۔“

موی کا خیال گویا اسے بھڑکتے ہوئے شعلوں میں پھینک گیا تھا۔



حسب معمول گھر میں پھیلے ہوئے سناٹوں نے اس کا استقبال کیا تھا اور تھکاوٹ جیسے اس کی رگ رگ کو جکڑنے لگی تھی ان سناٹوں و خاموشیوں کا وہ مدت سے عادی رہا تھا مگر اس عادت کو بدبو تاڑ اس لڑکی نے کیا تھا جو چند ہفتوں کے لیے اس گھر میں آئی تھی اور اپنی شوخ و چٹپل پر اعتماد و نڈر طبیعت کے باعث سب کے ساتھ ساتھ اس کو بھی بدل گئی تھی۔ اسے معلوم ہی نہ ہو سکا تھا کب اور کس لمحے وہ اس کا اسیر ہو چکا تھا۔ وہ از خود بات بے بات اس کی تذلیل کرتا تھا کہ وہ جلد از جلد یہاں سے چلی جائے جس کے گانے نے اسے گھر میں بیگانہ مرنے لگا تھا وہ ماں اور بھائی بہن جو اس کی موجودگی میں آواز نہ نکالتے تھے اب ان کے بلند حقیقیہ و اونچا بولنے کی آوازیں گیٹ سے باہر تک سنی جاتی تھیں۔ اپنے انھیاں کی طرف سے بعض اسے بچپن سے تھا جو تعلقات استوار ہونے کے باوجود اس کے دل سے نہیں گیا تھا گزرتے وقت نے جس کو مزید ہی تقویت دی تھی۔ اس بعض نے اسے قندیل سے سخت بدظن کیا تھا پھر جس قدر بھی اس سے ممکن ہو سکا اسے بھگانے کی سعی اس نے کی تھی اور وہ ایسا کرنے میں کامیاب بھی رہا تھا وہ چلی گئی تھی۔

اس کے جانے کے بعد معلوم ہوا زندگی کا حسن ابنوں کی مسکراہٹوں میں ہوتا ہے۔ سناٹے و خاموشی صرف قبرستانوں کو زیب دیتے ہیں گھر میں پائیل گہما گہمی ہی حیات کے رنگ اجاگر کرتی ہے موی کی خاموشی یعنی اور عیسری اداہی نے اسے احساس دلایا وہ

لڑکی جس کو وہ اپنا دشمن سمجھنے لگا تھا۔ اس کی کھری کھری باتوں میں سچائی و صداقت تھی وہ ان سے بہت دور ہو گیا تھا پھر اس نے ان فاصلوں کو سمیٹا تو معلوم ہوا اپنوں کا سنگ کتنا دغریب ہوتا ہے بڑوں کی عزت و چھوٹوں سے شفقت کا درس اسی لیے دیا جاتا ہے وہ جب بھی ان کے ساتھ بیٹھ کر چھوٹے موٹے مسائل ڈسکس کرتا پراپمز شیئر کرتا یا یوں ہی عیسری کی بے تکلی باتیں سن رہا ہوتا تو اسے شدت سے قندیل کی کمی محسوس ہوتی تھی۔ وہ اس کا بہت ممنون تھا جس نے اس کو راستہ بتایا تھا مٹی کی مٹکائی میں وہ اس کی آمد کا منتظر تھا مگر آس ہی رہی وہ نہیں آئی۔ مٹی کی مٹکائی کے بعد اس کی کال اس وقت آئی جب وہ ایک اہم میٹنگ میں مصروف تھا وہ کال عیسری کے سیل پر بھی اس نے غلط میں کہہ دیا عیسری نہیں سے مگر دوسرے لمحے اسے احساس ہوا اپنے غلط رویے کا سنگین حکم ہوتے ہی اس نے عیسری کے سیل سے ہی اس کا نمبر ریڈائل کیا تھا اور دوسری طرف سے عیسری سمجھ کر جو اس کے خلاف باتیں کی تھیں وہ اسے یہ سمجھانے کے لیے کافی تھیں کہ

وہ اس سے کس قدر بدظن و متفر ہے۔ وہ سچ سچ شرمندہ ہو گیا تھا اور پھر اس نے سوچ لیا تھا کہ وہ جا کر سب اسے سچ سچ بتائے گا جو اس پر بلکہ سب پر گزری تھی پھر دل کی بات کہے گا اس کی رضا مندی سے وہ اسے حاصل کرنا چاہتا تھا۔ زبردستی محبت نہیں ہوتی اور جہاں زبردستی ہوتی ہے وہاں محبت نہیں ہوتی اور وہ اسے محبت سے پانا چاہتا تھا زبردستی سے نہیں۔۔۔۔۔۔

دل کی بے قراریاں تو نور اسے لاہور کی سمت جانے پر مجبور کر رہی تھیں مگر دل کی زور واری کو وہ کہاں خاطر میں لانے والا تھا جذبول کی صداقت پر کھٹنے کے لیے وہ کئی دنوں تک خود پر جبر کرتا رہا تھا اور جب جذبول پر یقین کی مہر لگ تو وہ عازم سفر ہوا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا قندیل سے تنہائی میں ملاقات ہو جائے تاکہ وہ ہر بات کلیئر کر سکے اور اس کے جذبات جان سکے اور جب وہاں جا کر ملازمد کی زبانی معلوم ہوا صرف قندیل ہے گھر میں تو جذبول کی صداقت پر وہ جھوم اٹھا تھا۔ پورے پانچ ماہ ستائیس دن بعد وہ اس کے سامنے تھی جس کی خاطر وہ کسی

وہ قارئین جو بیرون ملک مقیم ہیں

میل برائے ڈاکٹر بیل موریا	سبیل برائے ڈاکٹر بیل موریا
12 شماروں کی قیمت	4520 روپے
12 شماروں کی قیمت	480 روپے
12 شماروں کی قیمت	4000 روپے

اپنے ذراقت اور مٹی کی آواز اور اس کے نام و رقعہ میں ہے پرا سال کریں۔ یہ کرایہ میں قابل ادائیگی ہوتا ضروری ہے۔ بیرون ملک شہر ادائیگی کی صورت میں کوہ پتہ چارہزار روپے تک کٹھنی کے 500 روپے اور بیرون ملک ادائیگی والے ذراقت و تحیرہ پر اس مدد 20 امریکی ڈالر کا اضافہ کریں۔ رابطہ: ظاہر احمد قریشی، 0300-8264242

فون نمبر 15-2628014 (21) (92) فیکس 2639577 (21) (92)

آفاق پبلی کیشنز

AhmedChamber Dr. Billmorla Street I.I. Chundirgar Road Karachi-74200
Email.info@aanchal.com.pk

پروانے کی طرح دوڑا چلا آیا تھا مگر اس نے اپنی نگاہوں کو پائند رکھا تھا۔ جذبوں کی لگان نہ چھوڑی تھی بہت نازیل انداز میں ملا تھا۔ پھر رفتہ رفتہ بات سے بات نکلتی چلی گئی اور جب دل کی بات زباں پر آنا ہی چاہتی تھی کہ وہ ہی ہوا جس کا ڈرتا وہ اس کی زیادتیوں کو فراموش نہ کر سکتی تھی اس کے بے اختیار ہنسنے والے آنسو اس بات کے گواہ تھے اپنے جذبوں کی شکست پر وہ اس قدر بکھیرا تھا کہ پھر وہاں ان کے بے حد اصرار پر وہ روک نہ سکا تھا اور فرسٹ فلائٹ سے ہی واپس آ گیا تھا۔

”ننی! گھر میں اتنی خاموشی کیوں ہے مئی کہاں ہیں؟“ وہ ابھی آفس سے آیا تھا دل میں پہلے ہی وحشتیں رقصاں تھیں گھر میں غیر معمولی خاموشی نے جنہیں مزید بڑھا دیا تھا۔ وہ بریف کیس رکھتے ہوئے نیٹا سے مخاطب ہوا۔

”مئی کے سر میں درد ہے وہ اپنے روم میں ہیں۔“ ننی کی بھاری آواز اس کے رونے کی شمار بھی مئی کی طبیعت خراب نہ ہو وہ پریشانی سے ان کے روم کی طرف بڑھا تھا مگر اپنا نام سن کر اسے وہیں رکنا پڑا تھا۔

”میری زندگی کی اولین خواہش ہے کہ قندیل اس گھر کی بہو بنے ایک طویل عرصے سے میں یہی خواب دیکھتی آرہی ہوں لیکن پہلے حسان کے برے سلوک نے ہمت توڑی تھی لیکن میں نے سوچا تھا یہ سب وقتی غصہ اور غلط فہمی ہے جلد میں اسے راضی کر لوں گی مگر۔۔۔“

دوسرے لمحے ان کی سسکیوں کی آواز کے ساتھ عمیر کی تسلی دینے کی آواز بھی شامل ہو گئی تھی اب رکنا فضول تھا وہ سلام کرتا ہوا اندر داخل ہوا۔

”کیا ہوا مئی! رو کیوں رہی ہیں آپ؟“ وہ ان کے

مان بھی جائیں تو وہ نہیں مانیں گی۔“ عورت جو نسلوں کی امین ہے عزت و وقار کی علمبردار ہے اس کے شانوں پر اعلیٰ تربیت و بے مثل اوصاف و کردار کی ذمہ داری ہوتی ہے جس وہ ایک قدم کی لغزش کی بھی سزا ساری حیات ادا کرنی پڑتی پسند کا جیون سماجی پائے کی خاطر وہ سب کچھ کراتی تھیں اپنے اس فیصلے کا بچپن تاوان کا تمام عمر ہی رہا مگر آج حد سے سوا تھا۔

عمیر بھی ان کی بات کی نفی نہ کر۔ کا تھا عشرت کو جو میکے سے مستقل بڑی رہنے کی آس تھی وہ کیا ٹوٹی گویا وہ زندگی ہی ہمارے لکین ہارٹ ایک کے باعث انہیں فوراً اسپتال ایڈمٹ کیا گیا۔ موت وزیست کی گرفت میں مبتلا وہ ایک ہفتے تک انتہائی نگہداشت کے یونٹ میں رہی تھیں اس دوران لاہور سے قندیل کی بیوی بھی آ گئی تھی ان کی تلاش میں بھی تھیں دوسرے سرکاری قوان سے تعلق رکھتے ہی نہ تھے۔

طبیعت امپرور ہوتے ہی وہ ڈسپانچر ہو کر گھر آ گئی تھیں کمزوری تو ان کو بہت تھی مگر سب کو پریشان ان کی گہری چپ نے کیا ہوا تھا۔

”بھائی! اب تو آپ کی طبیعت بالکل ٹھیک ہے پھر کیوں آپ اس قدر ادا اس خاموش رشتی ہیں؟ بچے پہلے ہی آپ کی پیاری کی وجہ سے ڈسٹرب ہیں اس پر آپ کا یہ انداز انہیں مزید پریشان کر رہا ہے۔ ننی دولی رشتی ہے اسے قندیل نے سنبھالا ہوا ہے بلکہ گھر کا نظام آپ کی بھائی اور ان کی بہو نے سنبھالا ہوا ہے آپ کی مٹی بہت اچھی ہے آپ کے بھائی کے اخلاق کی میں گرویدہ ہوئی ہوں۔ آپ تو بہت اعلیٰ خاندان سے تعلق رکھتی ہیں معاف کر دیجئے گا آپ کو سمجھنے میں غلطی ہوئی۔“

آمنہ کی بات پر وہ دھیرے سے مسکرا کر رہ گئیں۔

طرح اس کے لبوں سے نکلنے والی نہ تھی حسان نے چونک کر بڑی گہری نگاہوں سے اس کے ہنسیکے ہوئے چہرے کو دیکھا جہاں وہی جذبے بکھرے ہوئے تھے جنہوں نے اس کے اندر اضطراب و اضطراب کی آگ دہکا رکھی تھی۔ محبت محبت کا عکس ہوتی ہے پھر وہ اس عکس کو کیونکر نہ پہچانتا۔

”بالکل غلط خیال ہے تمہارا۔“ وہ قریب آ کر سرگوشیاں انداز میں بولا۔ اگر چاہت دو طرف ہو جذبے کھرے ہوں تو سنگ بھی موم ہو جاتے ہیں بھول بن جاتے ہیں پہاڑوں پر کھلے بھول بہتے بھرنے گرتے آبشار محبت کی ہی تو کرشمہ سازی ہے۔“

قتل کے اندر برق سی دوزی تھی اس کا چاہت سے لہریز لہجہ لگاوت آمیز انداز اس کو تعمیر کر گئے وہ رونا بھول کر شیشا گئی۔

”مجھے احساس ہے میں نے تمہارے ساتھ بہت زیادتی کی ہیں بے حد ستایا ہے لیکن وعدہ اب سب سے بڑھ کر پیار ہی دوں گا۔“

وہ سینے پر بازو لپیٹے اس سے کچھ فاصلے پر کھڑا اسے بڑا شوخی نظر دیا سے دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا لبوں پر دلکش مسکراہٹ تھی۔

”مجھے تنگ کرنے کا آپ کا کوئی نیاز و حوٹ ہے“ ابھی آپ مجھے یہاں سے بھگانے پر تیار تھے مگر مجھے کھڑا کر کیا کہہ رہے تھے یاد ہے آپ کو؟“

”قتل! میں وہ شخص نہیں ہوں جو محبت کے اظہار کی لیے آسمان سے تارے توڑا لے پہاڑوں کی چوٹیاں سر کر لینے کے جو دعویٰ کرتے ہیں میں ایک عام سا پریکٹیکل بندہ ہوں جو محسوس کرتا ہوں ویسا ہی رد عمل کرتا ہوں پہلی بار جب تم یہاں آئی تھیں تب مجھے محسوس ہوا تھا تم مجھے ڈی گریڈ کر کے مجھے انہوں سے دور کرنے آئی ہو تب میرے اندر تمہارے

تھے؟“

”کیا تھے؟“

”وہ لوگ تمہیں میری منیگریٹر سمجھ رہے تھے بلکہ میرے چند فریڈز کو میرے منع کرنے پر بھی یقین نہیں آیا تھا۔ موی کو تو بالکل یقین نہیں تھا۔“

”آپ مجھے بے وقوف مت بنائیں آپ موی میں اعتراض ہیں۔“ موی کے نام پر وہ چمک کر گویا ہوئی تھی۔

”غلط بات مت کرو اگر ایسا ہوتا تو کون روک سکتا تھا مجھے؟ بولو میں نے کبھی کسی کی پروا نہیں کی اور میں ندان میں سے ہوں جو ہاتھوں میں دل لیے پھرتے ہیں اگر تمہاری آنکھوں میں ابھی وہ رنگ میں نہ دیکھ لیتا جن سے میری دنیا آباد ہے تو مرے دم تک کوئی بھی میرے دل کا حال نہ جان سکتا تھا اور نہ میری زندگی میں کوئی دوسری لڑکی آ سکتی تھی۔“ اس کے انداز میں وہی مخصوص سر دھری در آتی تھی۔

”آپ غصہ کیوں کر رہے ہیں؟“

”میں غصہ نہیں کر رہا سمجھا رہا ہوں تمہیں۔“

دو نرم لہجے میں بولا۔

”سمجھانے سمجھانے میں عمر نکل جائے گی بھائی جان پہلے تین بول پڑھو لیں پھر ساری عمر سمجھاتے رہے گا ورنہ آپ کی عمر تو نکلے گی سو نکلے گی میں غریب مفت میں مارا جاؤں گا۔“

”وہ سب اندر داخل ہو گئے تھے غیر نہ آتے ہی دہائی دینی شروع کی تھی۔

”اس کو کہتے ہیں لڑکا لڑکی راضی تو کیا کرے گا قاضی؟“ بھائی نے اندر آتے ہی ہنستے ہوئے اسے ہنساتے ہوئے کہا تھا۔

”قاضی وہی کرے گا جو اس کا کام ہے یعنی نکاح پڑھائے گا۔“ عمیر نے حسان کے شانے پر بازو

رکھتے ہوئے کہا۔

”یہاں آپ کی روٹھا منائی ختم نہیں ہوئی وہاں آئے پھپھو نے ماموں جان سے بات کر لی ہے بلکہ راضی کر لیا ہے قتل کو ہماری بھائی بنانے پر۔“ یعنی بڑے پر جوش انداز میں قتل سے لپٹی تھی

”ماسوں جان کو کوئی اعتراض تو نہیں ہوا؟“

حسان نے بے ساختہ کہا۔

”انہیں کیوں اعتراض ہونے لگا۔ جب بہن بھائی سے محبت کا قرض مانتی ہے تو بھائی کس طرح منع کر سکتے ہیں پھر جب ساتھ ہم جیسے سسرالی ہوں تو بھائی نامراد کیسے لوٹ سکتی تھیں یوگنڈا سے آنے والے گینڈے کو ہم نے داخل ہونے ہی نہ دیا لوسب سے پہلے تم منہ پیٹھا کرو۔“

ہاتھ میں پکڑے لو کرے سے گلاب جامن انہوں نے حسان کے منہ میں ڈالا تھا پھر قتل کی طرف بڑھ گئیں جو سر جھکائے شرم سے سرخ چہرہ لیے کھڑی تھی۔

”میں نے پہلی بار دیکھتے ہی فیصلہ کر لیا تھا اس چاند جیسی لڑکی کو ہی اس گھر کی روٹنی بننا ہے کل سے رمضان المبارک شروع ہونے والے ہیں عید کے پہلے ہفتے میں ہی ہم بارات لے کر آ رہے ہیں تمہیں ہمیشہ کے لیے لانے کے لیے۔“ وہ قتل کو مٹھائی کھاتے ہوئے خوشی سے کہہ رہی تھیں۔

حسان کے وجہ چہرے پر امنگوں و سرتوں کے رنگ جھلما رہے اس کی شوخی نگاہیں مسکراہٹ تھیں جن میں قتل کا عکس مقید تھا۔

